



- پھر اختلاف کا ذمہ دار کون ہے؟
- قرآنی آیات کے جواب کا حکم
- ماہ شوال اور اس کے روزے فضائل و مسائل
- امام محمد بن الحسین المسلمی کی توثیق





قول زریں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (القدر: 17)

ترجمہ:

اور بیشک ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے
پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

ابن القیم - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کو آسان کیا ہے اور یہ آسانی کئی امور میں ہے:

✓ اسکے الفاظ حفظ کے لئے آسان کر دئے گئے ہیں۔

✓ اسکے معنی و مفہوم کا سمجھنا آسان کر دیا گیا ہے۔

✓ اسکے اوامر و نواہی تعمیل کرنے اور بجالانے کے اعتبار سے آسان کر دئے گئے ہیں۔

AHL US SUNNAH Volume No.7, Issue No.79, June 2018

جلد: ۷

فی شماره - 30/- Rs.

شماره: ۷۹

سالانہ - 300/- Rs.

جون ۲۰۱۸ء

ماہنامہ

اهل السنة مبینی

مدیر اعلیٰ: رضاء اللہ عبد الکریم مدنی

مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی | معاونین: ابوالبیان رفعت سلفی، حافظ اکبر علی سلفی

نائب مدیر: کفایت اللہ سنابلی | فور میٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی

گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبد الرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی

• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر:

022-26500400 / 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph.:022-26500400
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

الاهل السنة

- | | | | |
|----|---|--|-------------------|
| 05 | شعبان بید آصفوی | پھر اختلاف کا ذمہ دار کون ہے؟ | مہمان اداریہ |
| 09 | کفایت اللہ سنابلی | قرآنی آیات کے جواب کا حکم قسط (۷) | تحقیق مسائل |
| 17 | تحریر: فضیلۃ اللہ کتورانی شیخ صالح بن فوزان
ترجمہ: نبی رضوان اللہ علیہ ارحم الراحمین | مفتی اور مستفتی کے آداب (قسط دوم) | علمی اصول و ضوابط |
| 21 | مقبول احمد سلفی | آخری عشرے سے متعلق چند امور پر اہتباہ | رمضانیات |
| 25 | حافظ اکبر علی اختر علی سلفی | ماہ شوال اور اس کے روزے فضائل و مسائل | فضائل و مسائل |
| 29 | حافظ اکبر علی اختر علی سلفی | ماہ شوال اور اس کے روزوں کی بابت چند ضعیف و منکر روایتیں | تحقیق و تخریج |
| 35 | سید انور شاہ راشدی | امام محمد بن الحسین السلمی کی توثیق (حصہ سوم) | جرح و تعدیل |
| 40 | حافظ اکبر علی اختر علی سلفی | سعد بن الصلت الجلی رحمہ اللہ جرح و تعدیل کے میزان پر | جرح و تعدیل |
| 41 | محمد طیب جلیل | شیخ محمد توحید ابن حافظ جلیل احمد فیضی کی مختصر سوانح حیات | آسمان تیرے لحد پر |
| 46 | دکتر فضل الرحمن المدنی | کتابیہ سے نکاح کا حکم | فقہ و فتاویٰ |

پھر اختلاف کا ذمہ دار کون ہے؟

شعبان بید آصفاد

سارے منکرات و محرمات بھی انجام دینے کو تیار ہیں وہ بھی بدلے اور ثواب کی نیت سے فالعیاذ باللہ العظیم۔

آپ آزادی کے بعد سے اب تک کے منظر نامے پر ایک سرسری نگاہ دوڑائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ مسلکی اکثریتوں نے ہمیشہ نام ملت کا لیا ہے اور کام مسلک کا کیا ہے۔

اس وقت جن مسائل کو بنیاد بنا کر یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کی جا رہی ہے کیا وہ اکثریت کے فقہی مسائل نہیں ہیں؟ جو فقہی نسبتوں کا امتیاز بن گئی ہیں۔ یقیناً باطل کا اصل نشانہ اسلام اور ملت اسلامیہ ہیں مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انھوں نے نقطہ آغاز کس چیز کو بنایا اور کون سی زمین ہے جو فترت پرستوں کو زعفران کاشت کرنے کے لیے کافی زرخیز نظر آئی ہے۔ تیوہاروں اور مناسبات کی طرف توجہ کیجئے تو وہاں بھی یہی سمجھ میں آئے گا کہ مذہبی شراغیزی کی دکان مسلکی اکثریت کے محلے میں لگائی جا رہی ہے۔ آپ صرف مائیک کا معاملہ دیکھ لیجیے اذان کے علاوہ نظموں، سلاموں اور قوالیوں کے لیے کون دیر تک لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کر رہا ہے۔

صورتحال کا یہ مکروہ سلسلہ بھی دیکھئے کہ ایک طرف فرقہ پرست اکثریت مسلکی اکثریت کے اعمال و اشغال کو ذریعہ بنا کر مسلمانان ہند کو زمانے سے نشانہ بنا رہی ہے تو دوسری طرف ظلم و ناانصافی کے خلاف دھڑلہ پر درشن کی قیادت کرنے والے رہنماؤں کی تیار کردہ نسلیں تقریباً وہی کچھ انجام دیتی رہی ہیں جو فترت پرست طاقتوں کا امتیاز ہے۔

بلا سبب مسلکی اقلیتوں کے پروگراموں کو روکنا، انھیں قتل کرنا، ان پر حملے کرنا، ان کی مسجدیں گرانا، انھیں ہراساں کرنا، مسجدوں کی تعمیر

کوئی بھی رسالہ اٹھائیے ہر دو تین مہینے میں اتحاد و اتفاق پر ایک عدد مضمون پڑھئے کو ضرور مل جائے گا اور ہر پانچ پروگرام میں ایک دو تقریریں اتحاد ملت کے حوالے سے سننے کو مل جائیں گی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملت اتحاد چاہتی ہے۔ اگر ملت یقیناً اتحاد چاہتی ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے مگر اس سوال پر کبھی غور نہیں کیا گیا کہ اتحاد چاہنے والے بالعموم سب ہیں تو اختلاف کرتا کون ہے؟ کیونکہ عملاً اختلاف کرنے والے زیادہ ہیں اور اتحاد کرنے والے کم۔ آئیے ہم اس سوال پر سنجیدگی سے غور کر لیتے ہیں ممکن ہے غور کرنے کا راقم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے درست نہ ہو اور اسے کوئی اور نام دیا جائے بایں ہمہ آپ سے گزارش ہے کہ جن نکات پر کچھ گزارشات کی جا رہی ہیں انھیں انتہائی توجہ سے پڑھ لیں۔

امرواقع کی حیثیت سے جو اختلاف بالفعل ہمارے یہاں موجود ہے فی زمانہ اس کی ذمہ دار بعض مسلکی اقلیتیں ہیں۔ دعوت دین میں ان کا جوب و لہجہ اور انداز بیان ہے فقہی مسائل کے شرح و بیان اور پیشکش کے طریقے میں آج کل جو ناپسندیدہ طریقہ انھوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ سنجیدہ مزاج افراد کے لیے پریشان کن ہے۔ بلاشبہ بعض دفعہ رد و تردید میں جیسے کا تیسوا والا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے مگر ایک مستقل مزاج اور منفرد آئیڈیالوجی کی حیثیت سے زبان و بیان کا جو طریق اختیار کیا گیا ہے اس کے آثار و نتائج کچھ اچھے نہیں ہیں۔

ذمہ داری کی فہرست میں مسلکی اکثریتوں کا رویہ کچھ زیادہ ہی مکروہ اور ناقابل فہم ہے کہ انھوں نے اسلام اور ملت کے بجائے اپنی فقہی نسبتوں کو اس درجہ عزیز رکھا ہوا ہے کہ اس کے لیے وہ بہت

تبلیغی جماعت ملک کی بے حد طاقتور اور انتہائی بڑی جماعت ہے اس کا ایک بنانا یا سسٹم موجود ہے جو اچھی طرح اپنی فکر کے مطابق کام بھی کر رہا ہے۔ اگر یہ لوگ چھ نمبروں کے ساتھ ضمنی طور پر ایک نمبر گھر اور سماج کا شامل فرما لیتے تو میں نہیں سمجھتا کہ بدلاؤ نہیں آتا۔ کاش ہمارے بھائیوں کو مسجدوں پر قبضہ کرنے، مسلکی تنازعات میں مبتلا ہونے سے فرصت ملے!!! اور اپنے اسٹیج سے ملت کا یہ بڑا کام کریں تو گھروں میں انتشار کی جو تکلیف دہ صورت حال ہے وہ ختم ہو سکتی ہے۔ آج معاملے کی سنگینی یہ ہے کہ گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں اور بہن ۱۰۰ نمبر پر فون کر دیتی ہے۔ ساس بہو کو بیٹھتی ہے اور کبھی بہو ساس کے بال نوچتی ہے۔ گھروں میں نفرت ایسی ہے کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی بیماریوں پر بھی توجہ نہیں ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے بچے بدترین قسم کی گالی گلوچ روزانہ سنتے ہیں۔ میاں بیوی میں آئے دن بگاڑ پیدا ہوتا رہتا ہے غرض دیہاتوں کا بطور خاص پورا عاقلی نظام ہی تہس نہس ہے اور اس کی روشنی میں سماجی صورت حال کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسے میں طلاق کی کثرت اور عورتوں کے کورٹ جانے میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا ہے اور یقیناً ماننے احتجاج اس بگڑی زبانی صورتحال کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

بریلوی طبقہ ملک کا سب سے بڑا مسلکی طبقہ ہے اس کے یہاں جہالت بھی بہت زیادہ ہے۔ دین کے نام پر عرس، قوالی، طواف قبور، شعرو شاعری، حلوہ ملیدہ ٹائپ تقریروں، مسلکی گالیوں کے سوا کوئی اور چیز انھیں کم ہی معلوم ہے۔ سنی دعوت اسلامی اور دیگر جماعتیں اس طبقے میں بہت بڑی افرادی اور انتظامی قوت رکھتی ہیں۔ اگر یہ جماعتیں خود کو دوسرے مسالک کو خیل بھجوانے اور مساجد و مدارس پر پابندی لگانے کی آرزوؤں سے خود کو آزاد کر سکیں تو اصلاح و تبدیلی کا بہت بڑا کام کر سکتی ہیں۔

جہالت کا خاتمہ محض خواندگی سے ممکن نہیں ہو سکتا اب خواندگی کی وہ پرانی صورت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اب جہالت کے خاتمے کے لیے ہر شخص کو خواندہ کے بجائے تعلیم یافتہ بنانا پڑے گا اور احساس

رکوانا، ان کے خلاف عدالت جانا، حکومت سے ان کی شکایتیں کرنا وغیرہ اب ڈھکے چھپے معاملات نہیں رہ گئے۔ حتیٰ کہ دہشت گردی جیسا حساس مسئلہ جو مل بیٹھ کر غور کرنے کا تھا بغض و عناد کے اظہار کا ذریعہ قرار پایا۔ اگر کسی کے یہاں اس کی آبیاری بالفرض پانی بھی جاتی تو یہ انھیں محبوبانہ طریقے سے متنبہ کرنے کی چیز تھی مگر ہوا یہ کہ دہشت گردی آپسی نفرت و عداوت کے اظہار اور دل میں لگی آگ بجھانے کا ذریعہ بن گئی اور باقاعدہ اعلیٰ جنس میں شکایتیں کی گئیں، میڈیا میں بیانات جاری کیے گئے اور اپنے اس طرح کے مکروہ اقدامات اور نفرت انگیز پیش قدمیوں سے یہ ثابت کیا گیا کہ حضور والا آپ کی بات بالکل صحیح ہے: اسلام اور مسلمانوں میں دہشت گردی پوری طرح سے موجود ہے۔ سو بھائیو مقام عبرت ہے کہ ہم باتیں تو اتحاد کی کرتے ہیں مگر اختلاف کے کس کھڈ میں گر چکے ہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔

اتحاد کی آواز تب اٹھتی ہے جب کوئی مسئلہ ہوتا ہے اور خاص طور پر جب ہم نے احتجاج اور احتجاجی پروگرام کا من بنالیا ہو۔ اب تو احتجاج بھی سب کے الگ الگ ہو رہے ہیں اور اتحاد بھی!! بہر حال اتحاد اور احتجاج کی قابل قبول صورتیں اب بھی موجود ہیں۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احتجاج کرنا حرام ہے یا احتجاج بالکل لایعنی چیز ہے؟ ہرگز نہیں احتجاج کرنا حرام ہے نہ بالکل لایعنی ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ احتجاج سے زیادہ اہم اور مفید چیزیں ہمارے یہاں مفقود ہیں اور اگر ہیں بھی تو کچھ اس طرح کہ انھیں خبر بنایا جاسکے۔ اچھے نتائج تب پیدا ہوں گے جب خیراتی کثرت سے انجام دیا جائے کہ وہ خبر بنانے لائق نہ رہ جائے۔ کیا اچھا ہوتا اگر ہمارے خطباء، عظام اور دعا کے اہم مسلکی موضوعات پر بھڑکاؤ تقریر کرنے، مسلک پھیلانے کا بے انتہا جنون پالنے، اور شعر شور انگیز کا شوق رکھنے، شعور کے درتچے بند کرنے کے بجائے سماجی اور گھریلو موضوعات کا فہم پیدا کرتے، انسانی اور سماجی نفسیات کا مطالعہ کرتے باسلیقہ گفتگو کی مشق کرتے اور آنکھیں سرخ کیے بغیر بھی کوئی بات پیش کرنے کا ہنر سیکھتے پھر سماجی اور عائلی مسائل پر مختلف حوالوں سے توجہ فرماتے۔

حافظ ہے۔

ملت اسلامیہ ہند کو اس وقت جن مسائل کا سامنا ہے وہ کچھ نئے نہیں ہیں آپ کوئی ایک مسئلہ ایسا نہیں بتا سکتے جو آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں کو درپیش نہ رہا ہو بلکہ قتل و غارت گری کی بات کیجئے تو آزادی مل جانے کے بعد جس طرح سے فسادات کا سلسلہ اٹھا تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ لیکن جب یہ سب کچھ ختم کیا اور تقسیم کا الزام صرف ایک نظریے اور خیال کی حیثیت سے باقی رہ گیا اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور جو موجودہ حالات ہیں دونوں میں کافی فرق ہے۔

(۱) اس وقت فرقہ وارانہ اپروچ زیادہ ہے اور فرقہ پرستی نے اپنے مظالم کے لیے ایک فلسفہ اخلاقیات بنا لیا ہے پہلے یہ اپروچ بظاہر کرم تھی۔

(۲) پہلے آئین و قانون مسلمہ حیثیت رکھتے تھے مگر اب وہ بات نہیں۔ اب کھلے عام آئین پر تنقید کی جاتی ہے۔ ڈھٹائی کے ساتھ غلط کاریوں کو ثابت کیا جاتا ہے اور ان پر فخر کیا جاتا ہے۔ مظالم اور غلط کاریوں پر پہلے تاویل کی جاتی تھی یا معاملہ دبانے کی کوشش ہوتی تھی اب بار بار ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ آئین کو بھی نگلھڑے میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

(۳) پہلے حکومت جس طرح کی بھی تھی وہی لوگ چلاتے تھے جو منتخب ہو کر آتے تھے مگر اب حکومت تقریباً مکمل ڈھنگ سے وہ لوگ چلا رہے ہیں جنہوں نے ذمہ داری دے کر پورے دستے کو حکومت میں بھیجا ہے یعنی اب حکومت مخصوص قسم کے پرائیویٹ ہاتھوں میں ہے۔

(۴) قتل و غارت گری پہلے بھی تھی مگر اب نسلی تطہیر جیسی صورت حال ہے۔ پرسنل لاء پر سوالات پہلے بھی اٹھائے جاتے تھے مگر اب پورا وجود سوالیہ نشان بن چکا ہے۔ مذکورہ مسائل و معاملات اور ان کے علاوہ جو بھی چیزیں ہیں ان کا حل ہر مجلس، ہر گفتگو، ہر میٹنگ میں اتحاد بتایا جاتا ہے امر واقع یہی ہے بھی کہ اتحاد ایک بہت بڑا علاج ہے ایسا اتحاد جس کے پیچھے عمل کی تکنیک ہو۔ بیھڑ والا اتحاد کسی کام کا

و شعور کی تبدیلی کا کام از بس ضروری ہوگا۔ مسائل کی تفہیم تحریک کی سطح پر کرنی پڑے گی، دارالقضاء، رفاہی ادارے، تعلیم بالغاں، صلح کمیٹی، سماجی کاؤنسلنگ، نوجوانوں کی قوت و ذہانت کا متبادل اخراج، ان کے فکری اور جنسی مسائل غرض مختلف عنوانین سے ہر ہر محلے اور منطقے میں ہماری جماعتیں اور تنظیمیں متحرک ہو جائیں تو جیسا بھی کالا قانون یہ بنادیں ہمارے سماج کی صورت حال ان کے مطلوبہ درجات تک ہرگز نہیں بگڑ سکتی یا پھر قوانین اور پروپیگنڈے قطعی بے اثر ہو جائیں گے تحریکوں اور تنظیموں کے کرنے کا کام بھی یہی ہے اگر وہ سمجھیں۔ مذکورہ بالا قسم کی گفتگو جب بھی آتی ہے مسلم پرسنل لاء کا نام صفحہ ذہن پر فوراً ابھر آتا ہے!! سینے پر ایک چوٹ لگتی ہے اور زخموں کے ٹانکے کھل جاتے ہیں کیونکہ مسلم پرسنل لاء کا ہر تعصب قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ علاقائی تعصب، تنظیمی تعصب اور مسلکی تعصب غرض ہر تعصب! مسلم پرسنل لاء اگر مسلک پر عمل نہیں ہوتا یا صرف دیوبندی پرسنل لاء نہیں ہوتا تو آج صورت حال وہ نہیں ہوتی جو ہے۔ آپ ذیلی اکائیوں پر نظر ڈالیں وہاں ان کے فقہی بھائی بریلوی بھی موجود نہیں ہیں۔ مرکزی سطح پر دوسرے مسلک کی ایک چہرہ نمائندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مسائل کے حل میں ملی اور مسلم رجحانات کے بجائے مسلکی رجحانات کو واحد تعبیر گردانا جاتا ہے۔ بحیثیت اختلاف بھی دوسرے موافق کا تذکرہ بھول کر زبانوں پر نہیں آتا خود طلاق کے معاملات میں ایک خاص تعبیر کا جو فطری نتیجہ نکلتا ہے وہ مسلکی زنا یعنی حلالہ ہے۔ اس لیے عملاً حلالہ پر بھی کوئی روک نہیں لگائی جاسکتی ہے۔ ایسی حالت میں امت کو یہ حضرات کس طرح متحرک رکھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل الحدیث اور جماعت اسلامی کے سوا تقریباً سب کا اپنا پرسنل لاء ہے اور فقہی طور پر جماعت اسلامی چونکہ حنفی ہے اور افراد کے اعتبار سے بیشتر اس میں دیوبندی حضرات موجود ہیں اس لیے ان کا الگ نہ ہونا کوئی خاص معنی بھی نہیں رکھتا۔ اب بھلا بتائیے جب ملک کی اتنی بڑی تنظیم جومت کی نمائندگی کر رہی ہے مسلکی رجحانات سے کام کرے گی وہ بھی موجودہ بری پوزیشن میں تو ملت کا اللہ ہی

طلاق ثلاثہ کے مخصوص فقہی نظریہ کا لازمی اور طبعی نتیجہ بھی ہے کیونکہ بیک وقت والے طریقے میں نناوے فیصد بچھتاوا ہوتا ہے اور پھر اس کا ازالہ اس منصوبہ بند زنا سے ہی کیا جاتا ہے۔ آپ تعجب کیجیے کہا جاتا ہے کہ حلالہ ملعونہ کو ہم درست نہیں کہتے مگر مگر اراغظمی کا اس لنک پر بیان پڑھیے:

http://seedhibaat.world/?p=22219 تو کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ پھر سیاسی بیان الگ ہے اور عملی کردار الگ ہے۔ کچھ سالوں سے سب نے فتویٰ میں بھی لکھنا ترک کر دیا ہے مگر عمل جاری و ساری ہے۔ اسی سماج میں ہم بھی رہتے ہیں اور آئے دن یہ سب دیکھتے سنتے ہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے اہل الحدیث حکومت کے فیصلے سے خوش ہیں بھلا پھر ہم حلالہ ملعونہ پر مشتمل فارم کیوں بھرتے بھرواتے۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نشانے پر کوئی مسلک نہیں اسلام اور مسلمان ہیں بلاشبہ بات یہی ہے مگر کیا یہ چیز آپ کو اس بات کا جواز فراہم کرتی ہے کہ آپ غلط اور گندی چیز کو بھی جسنیفا کی کریں اور جو چیز اس گندی کا سبب بن رہی اسے محض اس لیے گلے سے لگائے رہیں کہ کہیں دوسرے مسلک کی جیت نہ ہو جائے بھئی سیدی سی بات تھی مسلم پرسنل لاء ملی ادارہ ہے اس میں کسی بھی فقہ پر حالات و ضروریات کے پیش نظر فیصلہ کیا جاسکتا ہے یہ مسلک کی فتح و شکست کا تصور تہی آئے گا جب آپ نے بورڈ کو کچھ اور سمجھ رکھا ہو۔ میرا سوال یہ بھی ہے کہ نشانہ بلاشبہ اسلام اور مسلمان ہیں مگر کیا یہ نشانہ ہم کو منافقانہ مسلکی سیاست کی اجازت دیتا ہے؟ آپ زمانے سے یہ سیاست کھیل رہے ہیں اور جب ہم اصولی تنقید کرتے ہیں تو آپ اسلام اور مسلمانوں کی دہائی دے کر لطف حلالہ کو چھپانے کی کوشش فرماتے ہیں۔

سوجان لیجیے اس طرح کا مصنوعی اتحاد نتیجہ خیز نہیں ہوگا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کو مسلم ہی رکھیے مسلک بورڈ مت بنائیے اور ہاں کبھی جیت ہار جانے میں ہوا کرتی ہے کاش آپ لوگ ہار کر جیتنے کا ہنر جانتے۔

نہیں یہ تو دوسروں کو متحد کرتا ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ جس اتحاد کی ہر دم بات کی جاتی ہے اس کی صورت حال بھی بڑی دردناک اور پیچیدہ ہے۔ چند برسوں سے ہمارے علماء کرام نے اپنے مخالف مسلک والوں سے اختلاف کا اظہار جس غلیظ اور ظالمانہ طریقے سے کیا ہے اس کی کچھ نظیر اگر مل سکتی ہے تو صرف انگریزی دور میں۔ قبرستان سے غیر مسلک کے مردے اکٹھے دینا، مساجد کی تعمیر میں رُکاوت ڈالنا، مساجد میں نماز نہ پڑھنے دینا، مسلک بدلنے پر قتل کر دینا، فرقہ پرستوں کی طرح ماحول بنا کر مسلکی فسادات کروانا کوئی معمولی چیز سمجھتا ہے تو سمجھے مگر میں نہیں سمجھتا کہ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کوئی پاسدار اور نتیجہ خیز اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اتحاد کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان میں بلا مبالغہ اتحاد جیسی کوئی بات سرے سے موجود نہیں ہے کہ اتحاد کے جھنڈا بردار اپنے اس عمل میں قطعی مخلص نہیں۔ دوسرے لوگوں کو شامل کرنے کی دعوت صرف بھیڑ میں اضافہ کے لیے ہوتی ہے ورنہ یہ خود نہیں چاہتے کہ دوسرے لوگ اتحاد کے عمل میں برابر کے حصہ دار ہو سکیں۔

مذہبی اکثریت کے مظالم، ان کی ناانصافیوں، تاریخ سازی، تاریخ میں جھوٹ کی آمیزش کی باتیں بہت ہوتی ہیں مگر ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مسلم فرقوں میں جو جس قدر اکثریت اور طاقت میں ہے مسلکی اقلیتوں پر ظلم کرتا ہے اور ظلم و جبر کو مذہبی مقدسات سے ڈھانپ دیا جاتا ہے سو جب ہم خود اکثریت اور سواد اعظم کے نشے میں بدست ہیں تو مذہبی اکثریت کی بد مستیوں کا شکوہ کیسا؟ حقیقت یہ ہے کہ حقیقی اتحاد کے لیے اپنی بعض انفرادیت اور امتیازی چیزوں سے کسی نہ کسی انداز میں دستبردار ہونا پڑتا ہے اور صلح و تنازل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتی مگر بد قسمتی سے اکثریت نے ان چیزوں کو دین و ایمان کا جز بنا کر پیش کیا حتیٰ کہ اس معاملے کا دفاع کیا جو خود ان کے یہاں بھی ملعون عمل ہے اور پوری امت کی اس سے جگ ہنسائی بھی ہوتی ہے۔ ہاں مگر اسی ملعون پر وہ شرح صدر کے ساتھ عامل بھی ہیں اس لعنتی فعل کے دفاع کی انھیں اس لیے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ

قرآنی آیات کے جواب کا حکم

قسط (۷)

کفایت اللہ سنبلی

بعض نے یہ لکھ دیا ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ثابت ہے۔

لیکن یہ غلط ہے صحیح نام عمری ہے جیسا کہ اکثر نسخوں میں ہے اور امام سیوطی نے بھی اسی نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۵/۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۲۸/۵، ابن ابی شیبہ: ۵۲۰/۳، وانظر: الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۴۸۲/۸)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

بعض اہل علم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل ذکر کیا ہے۔ (تفسیر القرطبی: ۱۳/۲۰، اللباب فی علوم الکتاب: ۲۷۴/۲۰) لیکن اس کی سند مستیاب نہیں ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سجدہ میں یہ ذکر پڑھنا نقل کیا ہے غالباً اسی کے پیش نظر بعض کو اشتباہ ہوا ہے، واللہ اعلم۔

فائدہ:

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جمعہ کی نماز میں یہ بات ثابت ہے۔ (دیکھئے: اہل السنۃ: ۱۵، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ابن عمر: دیکھئے: اہل السنۃ: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ابن عمر: دیکھئے: اہل السنۃ: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳) اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔ (حوالہ مذکورہ) جیسا کہ صحیح روایات کے ضمن میں تفصیلاً پیش کیا جا چکا ہے۔

اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی غیر نماز میں قولاً یہ بات ثابت ہے۔ (دیکھئے: اہل السنۃ: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ابن عمر: دیکھئے: اہل السنۃ: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳)

بعض ضعیف موقوف روایات:

عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (متوفی: ۲۳۵) نے کہا:

”حدثنا أبو أسامة، عن الجريري، عن أبي نضرة، عن عمرو، أنه كان إذا قرأ: ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/۱) (الأعلى: ۱)، قال ”سَبِّحْ رَبِّي الْأَعْلَى“۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، إشبیلیا: ۳۹۵/۵) وانظر: الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۴۸۲/۸، وإسناده ضعيف أبو نضرة لم يسمع من عمر۔

أبو نضرة رحمہ اللہ، عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/۱) (الأعلى: ۱) اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر پڑھتے تو کہتے: ”سَبِّحْ رَبِّي الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے)۔

”أبو نضرة، منذر بن مالك“ قدیم صحابہ سے ارسال کرنے والے راوی ہیں۔ (جامع التحصیل للعلانی: ص: ۲۸۷)

اور عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ شیخ سعد بن ناصر الشثری اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں: ”منقطع، أبو نضرة لم يسمع من عمرو“۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۵/۵)

”یہ روایت منقطع ہے ابو نضرة نے عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔“

تنبیہ:

مصنف ابن ابی شیبہ کے بعض نسخوں میں اس روایت کے اندر عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ ”عمرو“ کا لفظ درج ہو گیا ہے جس کی بنا پر

امام طبرانی رحمہ اللہ (متوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:

”حدثنا يحيى بن عثمان بن صالح، ثنا أبي، ثنا ابن لهيعة، عن عمرو بن دينار، وعطاء بن أبي رباح، عن ابن عباس، قال: كان رسول الله ﷺ إذا مر بهذه الآية ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿﴾ (۹۱/ الشمس: ۷-۸) وقف، ثم قال: ”اللهم آت نفسي تقواها أنت وليها و مولاهم وخير من زكاها“ (المعجم الكبير للطبراني: ۱۰۶/۱ رقم: ۱۱۹۱ وإسناده ضعيف لأجل ابن لهيعة)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب اس آیت ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿﴾ (۹۱/ الشمس: ۷-۸) (قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی، پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور نیک کر چلنے کی) سے گزرتے تو ٹھہرتے اور کہتے: ”اللهم آت نفسي تقواها أنت وليها ومولاهم وخير من زكاها“ (اے اللہ تو میرے نفس کو تقویٰ عطا کر! تو ہی اس کا ولی اور مولیٰ ہے، اور تو ہی سب سے اچھا سے پاک کرنے والا ہے)۔

یہ روایت ضعیف ہے۔ ”ابن لہیعہ“ مشہور مختلط راوی ہے۔ اور ”عثمان بن صالح“ کا ذکر ان کے قدیم شاگردوں میں نہیں ہے۔ نیز ”حیی بن عثمان بن صالح بن صفوان القرشي“ پر بھی کلام ہے۔ (ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی: ص: ۲۸۶)

❦ دوسری روایت:

امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ (متوفی: ۲۸۷ھ) نے کہا:

”حدثنا يعقوب بن حميد، حدثنا عبد الله بن عبد الله، حدثنا معن الغفاري، عن حنظلة بن علي الأسلمي، عن أبي هريرة، أنه سمع النبي ﷺ يقول: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (۹۱/ الشمس: ۸) قال: ”اللهم آت نفسي تقواها، زكها أنت خير من زكاها، أنت وليها ومولاهم“ (السنة لابن أبي عاصم (۲۲۷/۱) وإسناده ضعيف جداً،

روایات کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے ربی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نماز کے اندر عملاً وفعلاً مروی روایت تو یہ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح ضعیف ہے جیسا کہ وضاحت گزر چکی ہے۔ (دیکھئے: اہل السنہ مارچ: ۲۰۱۸ء، ص: ۱۵-۱۸)

* سورة الأعلیٰ (۸۷) کی آخری آیت ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ کے جواب سے متعلق روایات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

”حدثنا إسماعيل، حدثنا محمد بن إسحاق قال: حدثني عبد الواحد بن حمزة بن عبد الله بن الزبير، عن عباد بن عبد الله بن الزبير، عن عائشة قالت: سمعت النبي ﷺ يقول في بعض صلواته: اللهم حاسبني حساباً يسيراً فلما انصرف، قلت: يا نبي الله، ما الحساب اليسير؟ قال: أن ينظر في كتابه فيتجاوز عنه، إنه من نوقش الحساب يومئذ يا عائشة هلك...“ (مسند أحمد ط الميمنية: ۴۸/۲، وإسناده حسن)

”اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو بعض نماز میں پڑھتے ہوئے سنا: ”اللهم حاسبني حساباً يسيراً“ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! یہ ”حساب يسير“ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ نامہ اعمال میں دیکھ کر درگزر کر دیا جائے اور اس دن جس سے حساب کے وقت بحث کر لی گئی تو اے عائشہ وہ ہلاک ہو جائے گا.....“

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ سورہ الغاشیہ کے اختتام پر ”اللهم حاسبني حساباً يسيراً“ پڑھنا چاہئے لیکن اس روایت میں ایسی کوئی صراحت نہیں لہذا اس سے ایسا استدلال غلط ہے۔

* سورة الشمس (۹۱) کی آیت (۸) ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ کے جواب سے متعلق روایات:

❦ پہلی روایت:

”عبد اللہ بن عبد اللہ“ مجهول و ”یعقوب بن حمید بن کاسب“
لیس بشیء۔ و آخر جہا ایضا ابن ابی حاتم فی
تفسیرہ (۳۲۳۶/۱۰) والقضاعی فی مسند الشہاب
(۳۳۸/۲) من طریق یعقوب بہ و عند القضاعی: ”وہو فی
الصلاة“۔

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے
رسول ﷺ کو سنا آپ ﷺ نے (نماز میں) یہ آیت: ﴿

فَأَلْهَمَهَا فُجُوزَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ﴾ (۹۱/الشمس: ۸) پھر سمجھ دی
اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی) پڑھی اور کہا: ”اللهم آت نفسي
تقواها، زكها أنت خير من زكها، أنت وليها ومولاها“
(اے اللہ تو میرے نفس کو تقویٰ عطا کر! اسے پاک کر! تو ہی سب
سے اچھا اسے پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا ولی اور اس کا مولیٰ
ہے)۔“

یہ روایت درج ذیل اسباب کی بنا پر ضعیف ہے۔
اول:

”عبد اللہ بن عبد اللہ الاموی“ مجہول ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی: ۵۸۰ھ) نے کہا:

”مجہول“۔ ”یہ مجہول ہے“۔ (دیوان الضعفاء: ص: ۲۲۰)

اور مجہول ہونے کے ساتھ اس کی متابعت بھی نہیں کی جاتی۔

امام عقیلی رحمہ اللہ (متوفی: ۳۲۲ھ) نے کہا:

”لا يتابع على حديثه“۔ ”اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی

جاتی“۔ (الضعفاء للعقبی، تدمازن: ۲۶۱/۳)

اور مجہول شخص جب ایسی روایت بیان کرے جس کی متابعت نہ
ملے تو وہ سخت ضعیف ہوتا ہے۔

علامہ معلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والمجهول إذا روى خبرين لم يتابع عليهما، فهو تالف

“۔ (الفوائد المجموعة للمعلی: ص: ۲۹۹)

”مجہول شخص جب ایسی روایت بیان کرے جن پر اس کی

”یعقوب بن حمید بن کاسب“ بھی ضعیف ہے۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (متوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

”ابن کاسب ليس بشيء“۔ (تاریخ ابن معین، رواية الدوري

: ۱۷۳/۳)

””یعقوب بن حمید بن کاسب“ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

اور ابن محرز کی روایت کے مطابق ابن معین رحمہ اللہ نے کہا:

”كذاب خبيث عدو لله“۔ (معرفة الرجال، رواية ابن محرز، ت

القصار: ۵۲/۱)

”یہ کذاب، خبیث اور اللہ کا دشمن ہے۔“

لیکن ابن محرز نامعلوم التوثیق ہے۔

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ (متوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

”ضعيف الحديث“۔ ”یہ ضعیف الحدیث ہے۔“ (الجرح

والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمی: ۲۰۶/۹)

امام نسائی رحمہ اللہ (متوفی: ۳۰۳ھ) نے کہا:

”يعقوب بن حميد بن كاسب ليس بشيء“۔ (الضعفاء

والمعروفون للنسائي: ص: ۱۰۶)

”یعقوب بن حمید بن کاسب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

تحریر القریب کے مؤلفین (دکتور بشار عواد اور شعیب ارؤوط)

نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تحریر التقریب: رقم ۷۸۱۵)

معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے اور ماقبل والی روایت
میں بھی ضعف موجود ہے اس لئے ان دونوں کو ملا کر اسے حسن لغیرہ
کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

* سورة التين (۹۵) کی آخری آیت ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ

الْحَاكِمِينَ﴾ کے جواب سے متعلق روایات:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

سورة القيامة (۷۵) کی آیت نمبر (۳۰) ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ

بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يَّخِيْرَ الْمَوْتٰى﴾ کے جواب سے متعلق ماقبل میں

المرسلات: ۵۰) (اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟) کی تلاوت کرتے تو کہتے: ”آمنت باللہ، وبما أنزل“ (میں اللہ پر ایمان لایا اور اللہ نے جو نازل کیا اس پر بھی)۔ اس کی سند ضعیف ہے، قتادہ نے مرسلأ بیان کیا ہے۔

✽ چوتھی روایت:

امام سیوطی رحمہ اللہ (متوفی: ۹۱۱ھ) نے کہا:

”وأخرج عبد بن حميد عن صالح أبي الخليل قال: كان النبي ﷺ إذا أتى على هذه الآية ﴿الَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (٩٥/التين: ٨) يقول: ”سبحانك فبلى“، “(الدر المنثور في التفسير بالمأثور: ٨/٥٥٩، وإسناده ضعيف، صالح أرسل-)

صالح بن ابی مریم ابو الخلیل البصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب اس آیت ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ﴾ (۹۵) التین: ۸) (کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے) پر پہنچتے تو کہتے: ”سبحانک فبلی“ (تو پاک ہے کیوں نہیں)“ یہ روایت منقطع (مرسل) ہونے کے سبب ضعیف ہے۔ ”صالح بن ابی مریم، ابو الخلیل البصری“، صفار تابعین کے دور کے یعنی چھٹے طبقے کے ہیں اور ان کی ملاقات کسی صحابی سے بھی نہیں ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: رقم ۲۸۸۷)

❁ یا نجوئیں روایت:

أبو العباس جعفر بن محمد المستغفر ي رحمه الله (متوفى: ٤٣٢هـ) نے کہا: ”أخبرنا أبو عبد الله بن أبي حفص العجلي، حدثنا أبو جعفر محمد بن محمد بن عبد الله، أخبرنا الحسن بن عبد الأعلى، أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن سعيد بن جبیر عن ابن عباس أنه كان إذا قرأ ﴿أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ﴾ (١٥٨ / القیامة: ٢٠) قال: ”اللهم سبحانه بلی“ وإذا قرأ ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ (٨٤ / الأعلى: ١) قال: ”سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَىٰ“ وإذا قرأ ﴿أَلَيْسَ

البوہریرہ رضی اللہ عنہ (دیکھئے: اہل السنۃ جوہری: ۱۸۰ء، ص: ۱۶، فروری ۱۸۰۲ء، ص: ۸۷) اور جابر رضی اللہ عنہ (دیکھئے: اہل السنۃ فروری: ۱۸۰۲ء، ص: ۹) کی جو روایت گزر چکی ہے اس میں سورہ التین کے اختتام پر ”بلی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ“ پڑھنے کی بات مذکور ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ دیکھئے سابقہ حوالہ جات

❁ تیسری روایت:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (متوفی: ۳۱۰ھ) نے کہا:

”حدثنا ابن عبد الأعلى، قال: ثنا ابن ثور، عن معمر، قال: كان قتادة إذا تلا: ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ﴾ (٩٥/التين: ٨) قال: ”بلى، وأنا على ذلك من الشاهدين“ أحسبه كان يرفع ذلك؛ وإذا قرأ: ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى﴾ (٥٥/القيامة: ٣٠) قال: ”بلى“، وإذا تلا: ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ نَعِدُّهُ يُؤْمِنُونَ﴾ (٤٤/المرسلات: ٥٠) قال: ”آمنت بالله، وبما أنزل“، - (تفسير الطبري طهجر ٢٣/٢٥٦) وإسناده ضعيف قتادة أرسل، وآخرجه أيضا عبد الرزاق في تفسيره (٣/٣٢٢) واقتصر على آية التين وجوابه - وآخرجه الطبري ط هجر (٢٣/٥٢٥) أيضا من طريق سعيد عن قتادة ولفظه: ”﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ﴾ ذكر لنا أن نبي الله ﷺ كان إذا قرأها قال: ”بلى، وأنا على ذلك من الشاهدين“، وعزه السيوطي إلى عبد بن حميد، انظر: الدر المنثور في التفسير بالمأثور: (٨/٥٥٩)

قائدہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (۹۵/التین: ۸) (کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے) کی تلاوت کرتے تو کہتے: ”بلی، وأنا على ذالك من الشاهدين“۔ (کیوں نہیں! اور میں اس کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں) راوی کا گمان ہے کہ قائدہ اسے مرسل بیان کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ ﴿أَلَيْسَ ذَالِك بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُخَيِّبَ الْمُؤْتَى﴾ (۷۵/القیامۃ: ۴۰) (کیا اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے) پڑھتے تو کہتے: ”بلی“ (کیوں نہیں) اور جب ﴿فَبَأَىٰ خَدِيثَ بَعْدَهُ بُنْ مِّنْ﴾ (۷۷/

”وكان ابن عباس وعلى بن أبي طالب رضى الله عنهما إذا قرأ: ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (۹۵/التين: ۸) قالوا: ”بلى، وأنا على ذلك من الشاهدين“، (تفسير القرطبي، ت أحمد: ۱۱۷/۲۰، ولم أجده مسنداً)

ابن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما جب آیت ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (۹۵/التين: ۸) (کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے) پڑھتے تو کہتے: ”بلى، وأنا على ذلك من الشاهدين“ (کیوں نہیں! اور میں اس کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت تو ما قبل میں گزر چکی ہے جو ضعیف ہے۔ رہی علی رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت تو ایسی کوئی روایت حدیث یا تفسیر کی کسی بھی کتاب میں سند کے ساتھ نہیں ملی۔ امام سیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر نہیں کی ہے۔

* سورة الاخلاص (۱۱۲)، سورة الفلق (۱۱۳)، سورة الناس (۱۱۴) کی آیات کے جواب سے متعلق روایت:
أبو عبيد القاسم بن سلام البغدادي رحمه الله (متوفى: ۲۲۳ھ) نے کہا:

”حدثنا أبو أحمد الزبيري، عن سفيان، عن عمر بن عطية، قال: سمعت أبا جعفر محمد بن علي يقول: إذا قرأت: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (۱۱۲/الإخلاص: ۱)، فقل أنت: ”اللَّهُ أَحَدُ اللَّهِ الصَّمَدُ“، وإذا قرأت: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (۱۱۳/الفلق: ۱)، فقل أنت: ”أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“، وإذا قرأت: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (۱۱۴/الناس: ۱)، فقل أنت: ”أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“، (فضائل القرآن للقاظم بن سلام ص: ۱۵۳) ”أبو أحمد الزبيري“، هو ”محمد بن عبد الله بن الزبير بن عمر بن درهم الأسدي“، و”أبو جعفر“ هو ”محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، أبو جعفر الباقر“ و”عمر بن عطية“ هو ”الكوفي“، لم يؤثّر غير ابن حبان)

اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (۹۵/التين: ۸) قال: ”بلى“، (فضائل القرآن للمستغفری: (۱/۱۷۴) وإسناده ضعيف، ”أبو عبد الله بن أبي حفص العلجي“، لم أجده تروجمة ولا توثيقاً، وأخرجه أيضاً الطبري ط هجر: (۲۳/۵۲۶) من طريق أبي الوكيع عن أبي اسحاق عن سعيد به مختصر بسورة التين والفظه: ”سبحانك اللهم، وبلى“، قلت: في إسناده عنبة أبي اسحاق)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جب ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُخَيِّبَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۷۵/القيامة: ۴۰) (کیا اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے) پڑھتے تو کہتے ”اللهم سبحانه بلى“ (اے اللہ! تو پاک ہے کیوں نہیں) اور جب ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱) (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھتے تو کہتے: ”سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے) اور جب ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ (۹۵/التين: ۸) (کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے) تو کہتے ”بلى“ (کیوں نہیں)۔

اس کی سند ضعیف ہے ”أبو عبد الله بن أبي حفص العلجي“ کا ترجمہ اور اس کی توثیق مجھے کہیں نہیں ملی۔ امام عبد الرزاق کی مصنف یا ان کی تفسیر میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔

طبری کی ایک روایت میں صرف سورہ تین کے جواب کے ساتھ ابواسحاق السبئی سے سعید کی متابعت منقول ہے۔ (تفسیر الطبری ط ہجر: ۵۲۶/۲۳)

مگر اس کی سند ابواسحاق السبئی کے عنعنہ کے سبب ضعیف ہے۔ (ابواسحاق کے دس ہونے کے بارے میں دیکھیں: اہل السنہ مارچ: ۲۰۱۸ء ص: ۱۶)

﴿﴾ علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے سند وبے حوالہ روایت:

اور امام القرطبی رحمہ اللہ (متوفی: ۶۷۱ھ) نے بغیر سند وحوالہ کے لکھا:

کے جواب دینے کی بات ہے۔ اس طرح کی احادیث کی تعداد کل سات (۷) ہے۔ ان میں دو (۲) احادیث مرفوع ہیں باقی چار (۴) موقوفات ہیں۔

* صحیح مرفوع احادیث:

☆ ۱۔ سورہ فاتحہ کے اختتام پر ”آمین“ کہنا۔ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”صحیح بخاری“ میں مروی ہے۔ یہ نماز میں امام اور مقتدی سب کے لئے صراحتاً ثابت ہے۔

☆ ۲۔ سورۃ الرحمن (۵۵) کی آیات ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ (پس (اے انسانو اور جنوں!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟) کے جواب میں ”لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعْمَةِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ“ (ہم اپنے رب کی کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے)، یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ”تفسیر طبری“ میں بسند حسن مروی ہے۔ یہ نماز کے باہر عام تلاوت سے متعلق ہے۔

* صحیح موقوف آثار:

☆ ۱۔ سورۃ الطور (۵۲) کی آیت نمبر (۲۷) ﴿فَمَنْ لَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ﴾ (پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا) کے جواب میں ”اللَّهُمَّ مَنْ عَلَيَّ وَفَقِنِي عَذَابَ السَّمُومِ“ (اے اللہ مجھ پر کرم فرما اور مجھے تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالے)۔ یہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً ”شعب الایمان“ میں بسند صحیح مروی ہے، یہ نفل نماز سے متعلق ہے۔

☆ ۲۔ سورۃ الحديد (۵۷) کی آیت نمبر (۱۶) ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ﴾ (کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الہی سے نرم ہو جائیں؟) کے جواب ”بلی یا زب“ (کیوں نہیں اے رب) کہنا۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ”الرقۃ لابن ابی الدنیا“ وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے۔ یہ بھی نفل نماز سے متعلق ہے۔

☆ ۳۔ سورۃ القیامۃ (۷۵) کی آیت نمبر (۴۰) ﴿أَلَيْسَ

امام ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب تم ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (۱۱۲/الاحلاص: ۱) (آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے) پڑھو تو کہو: ”اللہ أحد اللہ الصمد“ (اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے)۔ اور جب ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (۱۱۳/الفلق: ۱) (آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں) پڑھو تو کہو: ”أعوذ برب الفلق“ (میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں)، اور جب ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (۱۱۴/الناس: ۱) (آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں) پڑھو تو کہو: ”أعوذ برب الناس“ (میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں)۔

یہ روایت ضعیف ہے ”عمر بن عطیہ الکوفی“ کو ابن حبان نے ثقافت میں ذکر کیا ہے ان کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کے بقول ابن العربی نے اسے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: ۶۸۲/۸)

لیکن اس کی سند مستیاب نہیں ہے لہذا یہ ثابت نہیں ہے۔

خلاصہ

☆ قرآنی آیات کے جواب سے متعلق صحیح احادیث:

☆ قرآنی آیات کے جواب سے متعلق وارد صحیح احادیث دو قسم کی ہیں:

☆ پہلی قسم: ان احادیث کی ہے جن میں عمومی طور پر تسبیح، سوال اور تعوذ کی آیات کے جوابات دینے کا ذکر ہے اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قولی حدیث ہے جس کا ما حاصل ہے کہ بوقت تلاوت اللہ سے سوال کرنا چاہئے اور ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلی نماز سے متعلق حدیث ہے کہ آپ نفل نماز میں تسبیح، سوال اور تعوذ وغیرہ کی آیات پر گزرتے تو تسبیح کہتے، دعا کرتے اور اللہ کی پناہ طلب کرتے۔

☆ دوسری قسم: ان احادیث کی ہے جن میں خاص خاص آیات

نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳۷، ۳۲)

✽ قرآنی آیات کے جواب میں ضعیف و مردود روایات:

ما قبل میں مذکور روایات کے علاوہ بقیہ روایات ضعیف ہیں جو کل پچیس (۲۵) آیات سے متعلق ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

کتابچہ ”نماز میں قرآنی آیات کے جواب“..... کا مختصر جائزہ

ایک صاحب نے نماز میں قرآنی آیات کے جواب دینے کا شرعی حکم کے نام سے کسی کے تعاقب میں ایک مضمون لکھا پھر اسے کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا، موصوف نے اس میں بہت سی ضعیف موضوع اور من گھڑت روایات یکجا کر دی ہیں اور سادہ لوح عوام کو یہ کتابچہ دیکر اس پر عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کتابچہ میں مذکور تمام روایات سے متعلق ہم نے اپنی اس کتاب میں وضاحت کر دی ہے بلکہ بہت سی روایات جو مذکورہ کتابچہ میں بھی نہیں ہیں ان کی حقیقت بھی ہم نے بیان کر دی ہے۔ والحمد للہ۔

اب اس کتابچہ کے بعض مقامات سے متعلق مختصر تبصرہ پیش خدمت ہے:

* ص (۳) سے کتابچہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے ابوداؤد اور بیہقی کے حوالے سے سورۃ الأعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ کے جواب سے متعلق ایک ضعیف روایت درج کی گئی پھر علامہ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح اور ان کی تشریح پیش کی گئی ہے۔ (مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳-۴))

عرض ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں پوری تفصیل سے واضح کر دیا گیا اور علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کا جائزہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ اور جب یہ روایت ضعیف ٹھہری تو اس کی بنیاد پر اپنائے گئے موقف کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

* ص (۵) پر سورۃ الأعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ہی سے متعلق تفسیر قرطبی سے علی رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی گئی ہے۔

ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْبِيَ الْمَوْتَىٰ﴾ (کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے) کے جواب میں ”بلی“ (کیوں نہیں) کہنا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ”فضائل القرآن لابن الضریس“ وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے یہ نماز کی صراحت کے بغیر قولی اثر ہے۔

✽ سورۃ الأعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) کے جواب میں ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے) کہنا۔ یہ علی، ابو موسیٰ الاشعری، ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے موقوفاً ”مصنف ابن ابی شیبہ، سنن سعید بن منصور اور فضائل القرآن لابن الضریس“ وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نماز جمعہ کے اندر تھا، باقی صحابہ کا عمل بھی نماز سے متعلق ہے لیکن فرض نماز کی صراحت نہیں ہے۔ البتہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ عمل نہیں بلکہ نماز سے باہر قولاً ثابت ہے۔

نوٹ:- خاص آیات جن سے متعلق روایات صحیح ہیں وہ کل چھ (۶) ہیں۔ ان کی فہرست بالترتیب ملاحظہ ہو:

- ۱۔ سورۃ الفاتحہ (۱) کے اختتام پر ”آمین“ کہنا (مرفوع)، دیکھئے مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۴۰)
- ۲۔ سورۃ الطور (۵۲) کی آیت نمبر (۷)، (موقوف) دیکھئے مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳۵)
- ۳۔ سورۃ الرحمن (۵۵) کی آیت نمبر (۲۷)، (مرفوع) دیکھئے مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳۰)
- ۴۔ سورۃ الحديد (۵۷) کی آیت نمبر (۱۶)، (موقوف) دیکھئے مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳۱)
- ۵۔ سورۃ القیامہ (۷۵) کی آیت نمبر (۲۷)، (موقوف) دیکھئے مضمون نگار کی کتاب ”قرآنی آیات کا جواب“ کا صفحہ (۳۲)
- ۶۔ سورۃ الاعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت، (موقوف) دیکھئے مضمون

البتہ بعض ضعیف روایات میں ایسا ہے جیسا کہ ہماری اس تحریر میں تفصیل موجود ہے۔

* ص (۹)، (۱۰)، (۱۱)، (۱۵)، (۱۶) پر بعض اہل علم کے اقوال اور ان کے فتاوے پیش کئے گئے ہیں۔

عرض ہے کہ اہل علم کے یہ اقوال و فتاوے جن روایات پر مبنی ہیں وہ ضعیف یا غیر متعلق ہیں جن کی تفصیل ہم نے اس تحریر میں مناسب مقامات پر بیان کر دی ہے۔

* ص (۱۷) تا (۲۰) پر ایک درجن (بارہ) آیات اور ان کے جواب میں کہے جانے والے کلمات درج کئے گئے اور بریکٹ میں جلد و صفحہ تحریر کئے بغیر مختصراً صرف کتب کے حوالے دئے گئے ہیں۔ ہم نے اپنی اس تحریر میں ان تمام روایات کی حقیقت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ صاحب کتابچہ کو ضعیف روایات ہی درج کرنی تھیں تو صرف بارہ آیات ہی کو کیوں منتخب کیا جب کہ کتب تفسیر و احادیث میں راقم الحروف کے شمار کے مطابق پچیس (۲۵) آیات ایسی ہیں جن کے جواب میں کچھ کلمات کہنے کی ضعیف روایات منقول ہیں۔

مقتدی کے لئے قرآنی آیات کے جواب سے متعلق رسالے میں جا بجا جوشبہات پیش کئے گئے ان سب کا ازالہ ہم نے ایک ہی جگہ نماز میں مقتدی کے لئے قرآنی آیات کا جواب دینے کا حکم کے تحت پیش کر دیا ہے۔

اس وضاحت کے ساتھ ہماری یہ تحریر ختم ہوتی ہے۔ قارئین اپنے ملاحظات و استدراکات سے ہمیں ضرور آگاہ کریں تاکہ ہم اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکیں۔

سبحانک اللہم وبحمدک، أشهد أن لا إله إلا أنت،
أستغفرک وأتوب الیک۔

عرض ہے کہ یہ سخت ضعیف و مردود ہے بلکہ اس کی سند کے ایک راوی کو حدیث چور اور جھوٹا بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں مفصل تحقیق پیش کر دی گئی ہے۔

ص (۶) پر سورہ التین (۹۵) کی آخری آیت ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ﴾ کے جواب سے متعلق روایت ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت امام قرطبی کی تفسیر سے پیش کی گئی ہے۔

عرض ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ضعیف ہے جیسا کہ اس تحریر میں وضاحت موجود ہے اور علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے بے سند و بے حوالہ ذکر کیا ہے اور کسی بھی کتاب میں باسند یہ روایت نہیں ملتی امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسے ذکر نہیں کیا ہے۔

* ص (۸) پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قولی اثر پیش کر کے اس سے مقتدی کے لئے جواب دینے پر استدلال کیا گیا ہے۔
عرض ہے کہ یہ اثر سخت ضعیف و مردود ہے جیسا کہ تفصیل پیش کر دی گئی ہے۔

* ص (۱۷) پر سورہ البقرہ (۲) کی آخری آیت ﴿... فَأَنْصُرُوا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ کے جواب میں آئین کہنے کی بات لکھ کر بغیر جلد و صفحہ لکھے بریکٹ میں صرف (مسلم شریف) لکھا ہے۔

عرض ہے کہ صحیح مسلم میں ایسی کوئی روایت میں تلاش نہیں کر سکا البتہ بعض دیگر کتب میں اس تعلق سے کچھ روایات منقول ہیں مگر سب کی سب ضعیف ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

* ص (۱۹) پر سورۃ المرسلات (۷۷) کی آخری آیت ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ کے جواب میں ”آمنّا بالله“ یا ”آمنت بالله، وبما أنزل“ پڑھنے کے لئے بتا کر سب سے پہلے بغیر جلد و صفحہ تحریر کئے ہوئے (بخاری) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

عرض ہے کہ صحیح بخاری میں کسی بھی مقام پر یہ بات مجھے نہیں ملی

مفتی اور مفتی کے آداب

تحریر: فضیلۃ الدکتور الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ ترجمانی: رضوان اللہ علیہ (مدرس: مرکز الامام البخاری، تمولی)

عوام کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ مفتی کی اہلیت و لیاقت اور فتویٰ کے آداب سے انہیں آگاہ کیا جائے اور ان کے مآؤف ذہن اور بگڑے ہوئے ماحول کی اصلاح ہو سکے۔ بنا بریں شیخ محترم کے اس مضمون کا اردو ترجمہ کیا گیا، آسان سے آسان ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ہر عام و خاص کو سمجھنے میں آسانی ہو اب اس کے باوجود بھی اگر کوئی کمی یا غلطی باقی رہ جاتی ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اگر میں درستی کو پہونچا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (مترجم)

اگر فتویٰ پوچھنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہونا چاہتا ہے تو وہ باہم متعارض فتوے نہ قبول کرے جو کسی غیر مفتی یا غیر عالم کی طرف سے جاری ہوئے ہوں، اسی طرح کسی عام انسان، ابتدائی درجات کے طالب علم یا ایسے شخص سے صادر ہونے والا فتویٰ قبول نہ کرے جو علم میں مضبوط نہ ہو، جس نے کسی ثقہ عالم سے علم حاصل نہ کیا ہو، دور حاضر کے اکثر مفتیوں کی یہی حالت ہے، ہم اس طرح کی حرکتوں سے بچیں کیوں کہ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا، خواہ وہ مفتی ہو یا مفتی۔

اسی طرح مستفتی ہر کسی سے سوال نہ کرے، ہر کسی کا قول اور

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وأصحابه ومن اهتدى بهداه: أما بعد!

یہ مضمون دراصل فضیلۃ الدکتور الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ کے ایک محاضرے کا اردو ترجمہ ہے جو شیخ کی ویب سائٹ پر بشکل تحریر عربی زبان میں موجود ہے، چونکہ آج مفتیوں کی کمی نہیں ہے، عصر حاضر میں مسند فتویٰ پر ایسے لوگ براجمان ہیں جو درحقیقت فتویٰ کی اہلیت نہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو مفتی اعظم سے کم نہیں سمجھتے ہیں، بے چارے دو چار کتابوں کا مطالعہ کر کے دو چار عالموں کی تقریریں سن کے یا علماء کی ہم نشینی سے کچھ علمی استفادہ کر کے مفتی بن جاتے ہیں، اور عوام کی غلطی یہ ہے کہ یہ انہیں بہت بڑا مفتی سمجھ لیتی ہے، عوامی سطح پر انہیں وہ مقام مل جاتا ہے جس کے حق دار یہ نہیں ہوتے، اتنا نہیں خیال کرتے کہ فتویٰ کا کتنا بڑا مقام ہے اور فتویٰ دینے کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں، آج اگر سماج کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مفتیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا ہے جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے، ایک سے ایک مفتی میدان میں آ رہے ہیں اور قوم انہیں پلکوں پہ بٹھانے کو تیار ہے، ایسے ہی مفتیوں کو اس مضمون میں شیخ محترم نے نصیحت کیا ہے، مطالعہ کے بعد محسوس ہوا کہ اس طرح کے مضامین کا بروقت

کریں کیوں کہ یہ دین ہے آپ کو گاڑی خریدنی ہے، گھر خریدنا یا کوئی اور سامان خریدنا ہے اور آپ کے پاس تجربہ نہیں ہے تو تجربہ کار لوگوں کے پاس آپ جا کر مشورہ کرتے ہیں کیوں کہ آپ کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے، تو جب دنیوی معاملات میں آپ رائے مشورہ کرتے ہیں تو اخروی معاملات میں تو آپ کو بدرجہ اتم مشورہ کرنا چاہئے، پھر آپ اخروی معاملات میں کیوں نہیں تجربہ کار لوگوں سے سوال کرتے ہیں؟ کیوں نہیں دین کے ساتھ ساتھ دین کو اہمیت دیتے ہیں؟ فتویٰ کا مسئلہ بڑا نازک اور خطرناک مسئلہ ہوا کرتا ہے اسی لئے منصب افتاء پر وہی فائز ہو جو علمی اعتبار سے پختہ ہو نیز اس کا شمار اہل تقویٰ میں ہوتا ہو۔

سلف صالحین اسی وقت فتویٰ دیتے جب انہیں معلوم ہوتا نیز وہ پرہیزگار ہوتے تھے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہوا کرتا تھا جیسا کہ اس مضمون کے شروع ہی میں گزرا اسی طرح سلف صالحین اسی وقت فتویٰ دیتے جب ضرورت ہوتی اور فتویٰ دینے کے بعد یہ کبھی نہیں کہا کہ یہی حق ہے بلکہ کہا کہ یہ میرا اپنا اجتہاد ہے یہ میری رائے ہے اب اگر یہ دررست ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے وہ اپنے آپ کو بری نہیں کرتے تھے کیوں کہ مفتی اپنے فتویٰ کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن مفتی جب حق تک پہنچنے کے لئے اپنی طاقت بھر کوشش کرتا ہے ورنہ رسول یعنی انکے دین سے خیر خواہی کا جذبہ اس کے دل میں ہوتا ہے اور پھر بھی غلطی ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا کیوں کہ وہ غلطی عدا نہیں بلکہ خطا صادر ہوئی ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ”إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَنَبْ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَنَبْ ثُمَّ أخطأَ فَلَهُ أَجْرٌ“۔ ”جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے

ہر سنی ہوئی بات کو آنکھ بند کر کے قبول نہ کر لے اگر وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہونا چاہتا ہے تو بوقت ضرورت اہل علم اور اہل تقویٰ ہی سے سوال کرے۔

ایسے شخص سے بھی سوال نہ کیا جائے جو بذات خود اپنے آپ کو منصب فتویٰ پر فائز کر لے اور ہر سوال کا جواب دینا شروع کر دے ایسے حضرات بغیر کسی غور و فکر کے فتویٰ دے رہے ہیں اور ان مشکل مسائل میں بلا تامل فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر امام احمد اور دیگر کبار ائمہ سے وہ مسائل پوچھے جاتے تو وہ بھی توقف اختیار کرتے۔

میرے بھائیو! یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے کیوں کہ یہ دین کا معاملہ ہے، سلف میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ علم دین ہے لہذا تم دیکھو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو اگر تمہیں اپنی ذمہ داری سے بری ہونا ہے تو ہر کسی سے نہیں بلکہ ان سے فتویٰ لوجو معروف اور قابل اعتماد ہوں جنکے علم و تقویٰ کی زمانہ گواہی دیتا ہو یہ کبھی نہ سوچنا کہ یہ مفتی تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بروز قیامت بچالے گا یا تمہارے لئے نفع بخش ثابت ہوگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی مفتی نے غلط فتویٰ دیا تو اس کا ذمہ دار وہی ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ ذمہ دار ہوگا تو کیا آپ بچ جائیں گے؟ وہ تو صرف اپنی غلطی کا نہ کہ آپ کی غلطی کا ذمہ دار ہے اس نے اہل نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دیا تو وہ گنہگار ہے لیکن آپ نے اہل نہیں بلکہ نااہل سے فتویٰ طلب کیا تو آپ بھی مسئول ہوں گے اور آپ سے بھی باز پرس ہوگی، وہ صرف اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ اس نے فتویٰ دینے میں جلدی کیا اور بغیر علم کے فتویٰ دیا پر آپ بھی ذمہ دار ہوں گے اور آپ کی غلطی یہاں پر یہ ہے کہ آپ نے فتویٰ نااہل سے طلب کیا اور اس سلسلے میں مناسب کوشش نہیں کی۔

بنابریں مفتی اور مستفتی واجبی طور پہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار

اور مفتی کو اللہ تعالیٰ کے پاس جواب دینا ہے۔

اسی طرح بسا اوقات بڑے بڑے مسائل سے سامنا ہو جاتا ہے جیسے نکاح، طلاق وغیرہ اگر اس طرح کا کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ان مفتیوں کے حوالے کر دیا جائے جو مختص ہوا کرتے ہیں جن کا کام ہی فتویٰ دینا ہے جو منصب فتویٰ پر براجمان ہوا کرتے ہیں اور ان کی علمی لیاقت بھی اس منصب کے حساب سے ہوا کرتی ہے اپنا ہی مفتی نہ بن جایا کریں طلاق وغیرہ کا مسئلہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے اسی لئے کسی طالب علم یا کم عمر سے اس طرح کا سوال نہ کیا جائے اس طرح کے مسئلے کسی دارالافتاء یا شرعی محکمہ کے پاس بھیجے جائیں ایسے بڑے عالم یا مفتی کے پاس بھیج دیا جائے جو اس فن کا مختص ہو، کیوں کہ یہاں پر ضابطے ہیں محکمہ کا اپنا ضابطہ ہے اور دارالافتاء کا اپنا ضابطہ ہے جب ان کے پاس کوئی سوال آتا ہے تو یہ نوٹ کر لیا کرتے ہیں عصر حاضر میں تو کمپیوٹر پہ ضبط کر لیتے ہیں سوال و جواب کی یہ بنیادی ضرورت ہے چونکہ بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے سوال کا جواب مانگتے ہیں اور اپنے جواب دے دیا لیکن نوٹ نہیں کیا تو بعد میں وہی شخص آکر سوال بدل دیتا ہے کیوں کہ سوال کا جواب اسے من کے مطابق نہیں ملا ہے پھر ایسی صورت میں مفتی پریشانی کا سامنا کرتا ہے، لیکن اگر آپ نے نوٹ کر لیا تو اب اس کا دوبارہ آنا ناممکن ہے کیوں کہ اس کی بات یعنی سوال و جواب نوٹ ہے اور وہاں پر اس کا دستخط ہے اسی لئے سائل حیلہ بازیوں سے کام نہیں لے سکتا اسی لئے بڑے بڑے مسائل جیسے نکاح، طلاق، رضاعت، محرمات (وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے) اور سود وغیرہ جیسے خطرناک مسائل کا مختص اداروں کی طرف احالہ کر دینا ضروری ہے جن کے پاس امکانات ہیں جو ایسے معاملات سے سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انکا ریکارڈ رکھتے ہیں مذاق مستقیم کرنے والوں اور بہانے باز لوگوں کی دال انکے جاری ہے۔

اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶) کیوں کہ وہ حسب استطاعت پوری تحقیق کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا تقویٰ اپناتے ہوئے فتویٰ دیتا ہے، بوقت ضرورت فتویٰ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، وہ حسب طاقت محنت کرتا ہے پر علم اور معرفت دونوں کے باوجود اس سے بھی بسا اوقات غلطی ہو جایا کرتی ہے خطاؤں سے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں کیوں کہ ان سے جب بھی کوئی سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے انہیں بذریعہ وحی بتایا پھر آپ نے اسی وحی کی روشنی میں سائل کے سوال کا جواب دیا اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتوے میں غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے ہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جتنے مفتی اور جتنے علماء ہیں علم ہونے کے باوجود سب سے غلطی کا امکان ہے پر ان کی اس غلطی پر مواخذہ نہیں ہوگا کیوں کہ انہوں نے حسب طاقت محنت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسے عالموں کو معاف کر دے گا کیوں کہ ان کے اندر فتویٰ کی لیاقت تھی اور علمی صلاحیت ہونے کے باوجود ان سے غلطی ہو گئی انہوں نے جان بوجھ کر غلطی نہیں کی ہے۔

لیکن جو لوگ ابھی طالب علمی کے مرحلہ میں ہیں یا جن لوگوں نے کچھ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کے اندر علم کی ہلکی رنق آگئی ہے کچھ باتوں کا علم انہیں ہو گیا ہے یا وہ جہلاء جو حصول علم کے راستے میں ہیں ان کے اندر فتویٰ کی لیاقت نہیں ہوتی لیکن یہ بھی اپنے آپ کو فتویٰ کی کرسی پر لا بٹھاتے ہیں اور فتویٰ دینے لگتے ہیں بلکہ کہیں کہیں تو انہیں بہت بڑا مفتی گردانا جاتا ہے یہ لوگ خود ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہلاک کرتے ہیں یہ بات ہم ہمیشہ یاد رکھیں کہ فتویٰ ایک امانت ہے

چیز پر حلال و حرام کا حکم لگانا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اللہ کے علاوہ کسی کا حق نہیں ہے، اب آپ نے کسی بھی چیز پر حلت یا حرمت کا فتویٰ جڑ دیا جب کہ آپ کے پاس اس کا علم نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو اس میں آپ پختہ نہیں ہیں تو گویا آپ خود کو مجرموں کی فہرست میں لاکھڑا کر رہے ہیں اسی لئے ہمیں اس طرح کی حرکتوں سے ڈرنا چاہئے، جس چیز میں ہمارا تجربہ نہیں ہے یا جس میں ہمیں مہارت نہیں ہے ہم اسے کسی ماہر کے پاس بھیج دیں اور اس سے سیکھیں۔

مثلاً ایک مریض علاج کے لئے کسی ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس جائے گا، لیکن اگر وہ کسی نابالغ جھولا چھاپ معالج کے پاس چلا جائے جو اس کے علاج سے لاعلم ہونے کے باوجود علاج کرنا شروع کر دے تو کیا کرے گا؟ اس کا پیٹ پھاڑ دے گا، اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دے گا کیوں کہ جب وہ اس علم طب سے نا بلد ہے تو علاج کیسے کرے گا؟ ایسا وہی کر سکتا ہے جو بے عقل ہو۔

تو جب دنیوی طبی معاملات میں یہ نا قابل برداشت ہے تو اخروی اور دینی معاملات میں ایک انسان کو بدرجہ اولیٰ اس احقنا نہ حرکت سے بچنا چاہئے اسی لئے اولاً تو یہ کہ آپ اپنا کوئی بھی مسئلہ نا اہلوں کے حوالے نہ کریں بلکہ اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے بچائیں اور جب آپ کو ضرورت پڑے تو کسی ایسے گھاٹ کی تلاش کیجئے جس کا پانی پاک، صاف اور میٹھا ہو، ایسے گھاٹ پر نہ جاؤ جس کا پانی گندلا، کھارا اور مضر ہو، اور صحیح گھاٹ سے مراد اہل علم اور اہل فتویٰ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اللہ اس کے رسول، تمام مسلمانوں اور عام لوگوں کے خیر خواہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو صحیح بات کہنے اور صحیح کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہاں نہیں گنتی، ان تمام امور کا جاننا ہم پر ضروری ہے، اگر آپ اس کے اہل نہیں ہیں، یا فتویٰ آپ کے حوالے نہیں کیا گیا ہے تو خواجہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ پھنسا سکیں آپ عافیت میں رہیں گے، سلف کے سلسلے میں آتا ہے کہ اگر شہر میں کوئی قاضی یا کوئی مفتی ہو جو فتویٰ ہی کے لئے متعین ہوتا تو وہ فتویٰ نہیں دیتے بلکہ وہ مسائل اسی قاضی یا مفتی کے ہوتے کیوں کہ یہ ان کی ذمہ داری میں سے نہیں ہوتا تھا، اگر وہ ایسا کرتے تو فتویٰ کئی طرح کا ہو جاتا کیوں کہ وقت کا ماحول جو جانتا وہ اسی اعتبار سے فتویٰ دیتا اور جو نہیں جانتا وہ اپنے حساب سے فتویٰ دیتا نتیجہ یہ نکلتا کہ ایک ہی سوال کا کئی جواب آ جاتا اور عوام پریشان ہو جاتی کہ کس پر عمل کریں اور کس پر نہ کریں، بنا بریں ان امور کا ضبط کرنا ضروری ہے۔

فتویٰ بڑا اہم کام ہے، اس کے برعکس جو لوگ اس مسئلے میں سستی کا شکار ہیں اور کوئی بھی مسئلہ ہو اس میں مداخلت کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بات حرف آخر ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، ایسا کرنے والے غلط کرتے ہیں، اور ان کی یہ حرکت ریکارڈ ہو رہی ہے، بروز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ایسا فتویٰ کیوں دیا؟ آپ سے اس کے بارے میں محاسبہ ہوگا، اسی لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان شرائط کی قدر کریں اور فتویٰ جیسے اہم معاملے کو ہلکے میں نہ لے کر اس کا جو مقام ہے اسے وہی مقام دیں، کیوں کہ فتویٰ دینا دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کچھ کہنا ہے، آپ جو فتویٰ دیتے ہیں گرچہ وہ آپ کے جملے ہوتے ہیں پر وہ آپ کی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ اسے آپ اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال کیا ہے یا اسے حرام کیا ہے، اور جب آپ کسی بھی چیز پر حلت و حرمت کا فتویٰ لگاتے ہیں تو آپ کے دماغ میں یہ بات رہنی چاہئے کہ کسی بھی

آخری عشرے سے متعلق چند امور پر انتباہ

مقبول احمد سلفی، اسلامک دعوۃ سنٹر - شمالی طائف

نئی ایجاد ہے۔ کتاب وسنت سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح کے الفاظ سلف صالحین کے یہاں ملتے ہیں۔ ہر ہفتے جمعہ کا دن آتا ہے تو پھر کسی ایک مہینے کے آخری جمعہ کو الوداعی جمعہ کہنا بالبداهت بھی صحیح نہیں ہے اور جمعہ تو ہفتے کی عید ہے وہ بھی رمضان المبارک کا جمعہ اس پہ بچہ خوشی ہوئی چاہئے خواہ پہلا جمعہ ہو یا آخری جمعہ۔ یاد رکھیں رمضان کے آخری عشرہ میں ہی شب قدر ہے ہمیں اعتکاف اور شب بیداری واجتہاد کے ذریعہ اسے پانے کی کوشش کرنا چاہئے اور ان ایام میں خاص طور سے فضول کام اور تضييع اوقات کا سبب بننے والے امور سے بچنا چاہئے۔ اس مناسبت سے ایک پیغام امت مسلمہ کے نام دینا چاہتا ہوں کہ رمضان کا آخری جمعہ رخصت ہوتے ہی رمضان بھی ہم سے قریب رخصت ہو جائے گا، تو الوداعی جمعہ منانے کی بجائے میں دین اور اعمال صالحہ پر اسی طرح قائم رہنے کی تلقین کرتا ہوں جس طرح رمضان میں قائم تھے۔ نیکی صرف رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جس طرح ایثار و قربانی، اعمال صالحہ، طاعات و بھلائی، صدقات و خیرات، عبادت و ذکر الہی اور دعوت الی اللہ کی طرف رمضان میں مائل تھے اسی طرح رمضان بعد بھی کرتے رہیں تاکہ دین پر استقامت حاصل رہے اور اسی حال میں موت آئے۔ ایسے لوگ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں اور دین پر ہی وفات پانے سے اس کے فضل و احسان سے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

(۳) معتکف کا درس دینا کیسا ہے؟ جواب: اگر مسجد میں موجود لوگوں کو تعلیم کی ضرورت ہو اور معتکف (اعتکاف کرنے والا) ان کی

رمضان المبارک کا آخری عشرہ فضیلت کے لحاظ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اسی میں اعتکاف ہے اور اسی میں شب قدر ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ قرآن کا نزول بھی اسی مبارک رات میں ہوا بنا ایں سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عشرے میں طاعات پر زیادہ محنت کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کی دعوت دیتے۔ ہم بھی اپنے پیارے نبی کی پیاری سنت پر عمل کرتے ہوئے آخری عشرے میں بھلائی کے کاموں پر زیادہ سے زیادہ محنت کریں اور شب قدر پانے کے لئے خوب خوب اجتہاد کریں، اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کریں اور کثرت سے شب قدر کی دعا پڑھا کریں۔ مندرجہ ذیل سطور میں آخری عشرہ سے متعلق چند ایسے امور پر اطلاع دینا مقصود ہے جن کے بارے میں سوالات کئے جاتے ہیں یا بے دینی کو دین سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے۔

(۱) آخری عشرہ میں تسابلی: مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ شروع رمضان میں لوگوں میں عبادت و بھلائی کا ذوق و شوق زیادہ ہوتا ہے، یہ شوق عشرہ گزرنے کے ساتھ کم ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ آخری عشرہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

(۲) الوداعی جمعہ کا حکم: جواب: آخری عشرے سے متعلق ایک بات لوگوں میں الوداعی جمعہ سے متعلق رائج ہے جو اصل میں عوام کی مشہور کردہ غلط فہمی ہے، اس کا علماء سے اور کتاب وسنت سے تعلق نہیں مگر اب عوام کے ساتھ کچھ علماء بھی متاثر ہو گئے ہیں۔ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو الوداعی جمعہ کہنا، خطبہ میں یا محفل قائم کر کے اس کے گزرنے کا مرثیہ پڑھنا سراسر دین میں زیادتی اور

سبب ہے۔ میرے خیال سے تراویح کے بعد مختصر دروس اور مختصر تفسیر پہ ہی اکتفا کرنا چاہئے، یا لمبے دروس و تفسیر کے لئے کوئی اور مناسب وقت متعین کرنا چاہئے جس میں لوگ بلا مشقت اور نشاط کے ساتھ درس و تفسیر سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس وقت دروس و محاضرات کا سلسلہ آخری عشرے اور اس کی طاق راتوں میں بھی شروع کیا جانے لگا ہے۔ کچھ لوگ چار چار رکعت کے بعد وعظ کرتے ہیں تو کچھ لوگ تراویح کے آخر میں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آخری عشرے میں درس دینا لوگوں کے لئے مناسب ہے اور شرعاً اس عمل کی کہاں تک گنجائش ہے؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ دینی دروس بہر حال مفید ہیں مگر اس کے لئے مناسب وقت کا تعین ضروری ہے، اس عمل کے قبیل سے لوگوں میں جواز و عدم جواز سے متعلق دو قسم کی آراء سامنے آرہی ہیں۔ جواز والوں کا کہنا ہے کہ یہ بھی خیر کے کاموں میں سے ہے اور چونکہ نبی ﷺ سے کسی خیر کی ان راتوں میں ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے کسی نے آخری عشرے کے لئے خیر کے کاموں کو مخصوص کیا ہے بلکہ آزادی ہے جس قسم کا بھی کار خیر کرے۔ اس بات پر عرض یہ ہے کہ بلاشبہ درس دینا دعوت الی اللہ اور خیر کا کام ہے اور بڑے اجر کا باعث ہے مگر اس قدر اجر و ثواب والا عمل ہونے کے باوجود سلف سے آخری عشرے میں یہ کام منقول نہیں ہے۔ ہاں کوئی ان ایام کی فضیلت کے تعلق سے ایک آدھ مرتبہ لوگوں کو کچھ نصیحت کرنا چاہے تو مجھے اس میں کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا لیکن باقاعدہ ان راتوں میں اجلاس یا دروس کا سلسلہ قائم کرنا محل نظر ہے۔ اگر جواز والے ان راتوں میں پابندی سے درس کے قائل ہیں جو کہ کار خیر ہے تو پھر ان کی نظر میں دسیوں علماء کو بلا بلا کر جلسہ منعقد کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے جبکہ اس بات کے وہ بھی قائل نہیں ہوں گے تو معلوم یہ ہوا کہ یہ راتیں عبادت کے لئے فارغ ہونی چاہئے۔ آئیے ایک حدیث کی روشنی میں نبی ﷺ کا اسوہ دیکھتے ہیں کہ آخری عشرہ میں آپ ﷺ کیا کرتے تھے؟۔ عن عائشۃ رضی

ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہے تو انہیں درس دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں پابندی کے ساتھ اعتکاف کے اپنے قیمتی اوقات کو درس پر ہی صرف نہ کرے، اعتکاف دراصل عبادت کے لئے فراغت کا نام ہے لہذا اس مقصد کی تکمیل میں کوشاں رہے۔ شیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا معتکف کا کسی کو تعلیم دینا یا درس دینا صحیح ہے؟ تو شیخ کا جواب تھا: الأفضل للمعتکف أن يشتغل بالعبادات الخاصة كالذكر والصلاة وقراءة القرآن وما أشبه ذلك، لكن إذا دعت الحاجة إلى تعليم أحد أو التعلم فلا بأس، لأن هذا من ذكر الله عز وجل۔ (فتاویٰ الشیخ محمد صالح العثیمین: ۱/۵۴۹) ترجمہ: معتکف کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے مثلاً ذکر، نماز، قرآن کی تلاوت اور جو اس قبیل سے ہوں لیکن اگر کسی شخص کو تعلیم دینے اور سکھانے یا سیکھنے کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کے ذکر میں سے ہے۔

(۴) خواتین کا گھر میں اعتکاف: اعتکاف عورت و مرد دونوں کے حق میں مسنون ہے اور دونوں کے لئے اعتکاف کی جگہ صرف مسجد ہے مگر مسلکی علماء اختلاف اور فتنہ کے خوف سے خواتین کو گھروں میں اعتکاف کی تعلیم دیتے ہیں، یہ سنت کی مخالفت ہے۔ یہاں میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کے لئے علاحدہ جگہ نہ ہو وہاں عورتیں اعتکاف نہ کریں اور جہاں عورتوں کے لئے جگہ مخصوص ہو وہاں اعتکاف کریں، اس سے اختلاف اور فتنے کا خوف رفع ہو جائے گا۔

(۵) شب قدر میں وعظ و نصیحت کا حکم: جواب: شروع رمضان سے ہی اکثر مساجد میں تراویح کے بعد دروس و محاضرات اور تفسیر قرآن کا لمبا لمبا سلسلہ چلتا رہتا ہے جو نمازیوں کے لئے باعث مشقت ہے۔ حالانکہ یہ جائز و ناجائز یا بدعت کا مسئلہ نہیں ہے، یہ بھی مغلہ رمضان کے نیک اعمال میں سے ہے لیکن تراویح کے بعد کوئی سلسلہ، طوالت کے ساتھ، لوگوں کے لئے مزید مشقت کا

عشرہ کی تمام راتوں میں اسے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ شب قدر اسی آخری عشرہ میں ہے۔

(۸) آخری عشرہ میں دوسرے قیام اللیل کرنے کا حکم: جواب: عموماً رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد تراویح کی نماز پڑھ لی جاتی ہے اور بعض جگہوں پر آدھی رات کے بعد دوبارہ جماعت سے قیام اللیل کا اہتمام کیا جاتا ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ جب تراویح آٹھ ہی رکعت ہے تو پھر دوبارہ قیام کیوں کیا جاتا ہے اور اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں نبی ﷺ دوسرے عشرے کی بنسبت زیادہ عبادت کرتے تھے بلکہ آخری عشرہ تو عبادت کے لئے بیدار رہنے کا نام ہے۔ ان ایام کی راتوں میں جس قدر ہو سکے عبادت پر اجتہاد کرنا چاہئے، کوئی رات بھر عبادت کرے، کوئی دو تین بار اٹھ اٹھ کر عبادت کرے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رات کی نفلی نماز دو رکعت ہے خواہ کوئی فجر تک پڑھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: صلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ، فاذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدة، تو تری لہ ما قد صلی۔ (صحیح البخاری: ۹۹۰، و صحیح مسلم: ۷۴۹) ترجمہ: رات کی نماز دو دو رکعت ہے، اور اگر تم میں کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو، اور وہ ایک رکعت پڑھ لے، تو یہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کے لئے وتر ہو جائیگی۔ رمضان میں کثرت سے مستحب اعمال انجام دینا چاہئے اور نفلی عبادتیں مستحب اعمال میں سے ہیں، اگر کوئی امام کے ساتھ آٹھ رکعات تراویح کی نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کے لئے دوبارہ اٹھ کر قیام کرنے کی ممانعت نہیں ہے خواہ پہلا عشرہ ہو یا آخری عشرہ اور آخری عشرہ عبادت پر اجتہاد کے اعتبار سے کافی اہم ہے کیونکہ اسی میں شب قدر ہے لہذا آخری عشرے کی ساری راتوں میں پوری پوری رات جگ کر عبادت کرنا مستحب و مسنون عمل ہے۔ (یہ علماء کے ایک طبقہ کی رائے ہے کہ نفلی نماز کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے اسلئے بلا تحدید کتنی بھی رکعات پڑھی جاسکتی ہیں لیکن دوسرے علمائے کرام صحیح بخاری کی مشہور حدیث عاکثرہ رضی اللہ عنہا

اللہ عنہا قالت کَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعِشْرَ شَدَّ مِنْزَلَهُ وَأَخْبَا لَیْلَهُ وَأَقْبَطَ أَهْلَهُ (صحیح البخاری: ۲۰۲۴) ترجمہ: عاکثرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ جب آخری دس دنوں میں داخل ہوتے تو (عبادت کے لئے) کمر کس لیتے، خود بھی شب بیداری کرتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ اس حدیث میں تین باتیں مذکور ہیں۔ (۱) شد منزہ: کمر کس لیتے یعنی عبادت کے لئے بالغ اجتہاد کرتے۔ عورتوں سے کنارہ کشی کے بھی معنی میں آیا ہے۔ (۲) اخیل لیلہ: شب بیداری کرتے رات میں عبادت کے لئے خود کو بیدار رکھتے۔ (۳) اقبط اہلہ: اپنے اہل و عیال کو بھی جگاتے کیونکہ یہ اہم رات ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کے اسوہ کو اپناتے ہوئے آخری عشرے میں ہمارا بھی یہی طرز عمل ہونا چاہئے تاکہ شب قدر اور اس کی فضیلت کو پاسکیں۔

(۶) شب قدر کی مخصوص نماز: جب آخری عشرہ شروع ہونے لگتا ہے تو مسلمانوں کے بعض طبقوں میں عموماً شب قدر کی مخصوص نماز سے متعلق رسالہ تقسیم کیا جاتا ہے جس میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، اور ۲۹ کی راتوں کے لئے الگ الگ طریقے سے پڑھی جانے والی شب قدر کی نماز کا مخصوص طریقہ مع اذکار لکھا ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سنت میں شب قدر کی کوئی مخصوص نماز نہیں ہے اور جب شب قدر ہی مخصوص نہیں تو اس کی نماز کیسے مخصوص ہو سکتی ہے، اصلاً یہ صوفیوں کا طریقہ ہے اس سے بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جائے۔

(۷) آخری عشرہ کی مخصوص دعا: ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر لوگوں نے تینوں عشروں کی مخصوص دعا ایجاد کر دی ہے۔ پہلے عشرہ میں ”رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین“، دوسرے میں ”استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ“ اور تیسرے میں ”اللہم انک عفوت حب العفو فاعف عنا“۔ ان میں پہلے اور دوسرے عشرے کی مخصوص دعا کا کوئی ثبوت نہیں ہے البتہ تیسرے عشرہ کی جو دعا ہے وہ شب قدر کے لئے ہے لہذا ہم آخری

سیر و تفریح بطور خاص عید کی تیاری کے لئے بازار میں بکثرت سے آمد و رفت۔ اس قدر اہم راتیں اور ہم بازاروں کو رونق بخشتے ہیں یہ ہماری غفلت، رمضان کی ناقدری اور ہر قسم کی بھلائی سے محرومی کی دلیل ہے۔

(۱۱) فطرانے کی ادائیگی میں غلطی: کتنے سارے مسلمان صدقۃ الفطر شروع رمضان سے ہی نکالنا شروع کر دیتے ہیں، کتنے لوگ مفتی صاحب سے فکس فطرہ کی رقم معلوم کر کے گھر کے سارے افراد کی طرف سے رقم اکٹھا کر لیتے ہیں اور رمضان میں آنے والے سالوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ صدقۃ الفطر فکس ڈھائی کلو اناج میں سے ادا کرنا ہے اور اس کا افضل وقت عید کا چاند نکلنے سے نماز عید تک ہے۔ ہاں ایک دو دن پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے تاہم کئی دن پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے نہ ہی اناج کو پیسہ بنا کر دیا جاسکتا ہے الا یہ کہ اس کی کسی کو ضرورت ہو۔ (صدقۃ الفطر میں نقد و پیسہ دینے کے جواز پر شیخ کفایت اللہ سنابلی کا مضمون گذشتہ شمارے (اپریل - مئی ۲۰۱۸ء) میں شائع ہوا ہے اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ادارہ)

(۱۲) خواتین کی بے عملیاں: عورتوں میں شب قدر کی عبادت کے تئیں کافی سکوت پایا جاتا ہے، وہ خود کو گھر کے انتظامی امور کی ملکہ سمجھتی ہیں۔ نئے کپڑوں کا انتخاب، گھروں کی زیبائش، عمدہ پکوان کی تیاری اور مصنوعی زیب و زینت کی مصروفیت میں غرق رہتی ہیں۔ کچھ اللہ کی بندیاں اچھی بھی ہیں مگر نوجوان نسل تو اللہ کی پناہ۔ حد تو اس وقت ہو جاتی ہے جب اجنبی مردوں سے اپنے ہاتھوں پر مہندیاں سجاتی ہیں۔ اللہ کے لئے اپنے مقام کو پہچانو، اپنی عزت کرو، دنیاوی معاملات پر دین کو ترجیح دو اور آخری عشرہ میں شب بیداری کر کے عبادت پر محنت کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں آخری عشرہ میں سنت نبوی کی اقتداء کرنے کی توفیق دے اور اپنے فضل و کرم سے شب قدر کی توفیق دے کر اس کی ہر بھلائی سے نواز دے۔ آمین

کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے کے پیش نظر گیارہ رکعات پر ہی اکتفا کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ ادارہ)

(۹) عید کی اڈوانس میں مبارکبادی دینے کا حکم: جواب: عید کی مبارکباد دینا ثابت ہے۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو عید کے دن عید کی مبارکباد دیتے تھے۔ یہ مبارکبادی عید کی نماز کے بعد دینی چاہئے۔ مبارکبادی کے الفاظ ہیں: تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَمِنْكَ۔ کوئی عید مبارک کے الفاظ کہتا ہے تو بھی درست ہے۔ جہاں تک عید کی مبارکبادی دینا قبل از وقت تو یہ سنت کی خلاف ورزی ہے، عید کی مبارکبادی تو عید کے دن، عید کی نماز کے بعد ہونی چاہئے کہ اللہ کے فضل کے سبب ہمیں عید و مسرت میسر ہوئی۔ اس سلسلے میں بعض علماء ایک دو دن پہلے تہنیت پیش کرنے کے قائل ہیں مگر احتیاط کا تقاضہ ہے کہ عید سے پہلے مبارکبادی پیش کرنے کو سنت کی مخالفت کہا جائے کیونکہ لوگ اس وقت ہر چیز کے لئے مبارکباد پیش کرنے لگے ہیں اور وہ بھی کتنے دنوں پہلے سے ہی۔ لوگوں میں دین پر عمل کرنے کا جذبہ کم اور مبارکبادی پیش کرنے کا رواج زیادہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ سے عید سے ایک دو دن پہلے مبارکبادی پیش کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو شیخ نے جواب دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، مبارکبادی تو عید کے دن یا عید کے بعد والے دن مباح ہے لیکن عید کے دن سے پہلے مبارکبادی دینے سے متعلق مجھے نہیں معلوم کہ اسلاف سے کچھ ثابت ہے تو پھر لوگ عید سے پہلے کیسے تہنیت پیش کرتے ہیں جس کے متعلق کچھ ثبوت نہیں ہے۔

(۱۰) مسجدوں کی بجائے بازاروں میں چہل پہل: شروع میں کہا گیا ہے کہ لوگوں میں آخری عشرہ کی آمد پر عبادت کے تئیں سستی پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اسی میں سب سے زیادہ جستی پھرتی چاہئے۔ رات تو جاگتے ہیں مگر عبادت کے لئے نہیں بات چیت، کھل کود،

ماہ شوال اور اس کے روزے

فضائل و مسائل

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

معلومات: شوال، ذوالقعدہ اور عشرہ ذی الحجہ ہیں۔ یہ جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے (اپنی صحیح میں) صیغہ جزم کے ساتھ تعلیقاً روایت کیا ہے اسے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے موصولاً روایت کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشھر معلومات سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور عشرہ ذی الحجہ ہیں۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر بتحقیق المہدی: ۳۲۸/۱)

مذکورہ اثر سے یہ بات مترشح ہوگئی کہ حج کے مہینوں کی ابتداء ماہ شوال سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس ماہ سے قبل حج کا احرام باندھے گا تو اس کا احرام حج صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے عبادت کو اس کے وقت سے پہلے انجام دے دیا ہے، جس طرح نماز کو اگر کوئی اس کے وقت سے پہلے پڑھ لے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی اور اسے وہ نماز، اس کا وقت ہو جانے کے بعد دوبارہ پڑھنی پڑے گی، اسی طرح شوال سے پہلے کوئی حج کا احرام باندھے لے تو اس کا احرام حج صحیح نہیں ہوگا، اسے شوال کے شروع ہونے کے بعد پھر سے احرام باندھنا پڑے گا۔

(۲) اس مہینے کی پہلی تاریخ کو مسلمانوں کی دو عظیم شرعی عیدوں میں سے پہلی عید ہوتی ہے۔ جسے عید الفطر کہا جاتا ہے اس دن کا روزہ رکھنا تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”وَلَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى“ ”عید

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسول الله الامين، اما بعد:

ماہ شوال اسلامی سال کا دسواں (۱۰) مہینہ ہے جو کہ رمضان المبارک کے بعد آتا ہے۔

❦ وجہ تسمیہ:

(عرب میں) اس ماہ میں اونٹنیاں اپنی دموں کو جفتی کے لئے اٹھاتی تھیں، اس لئے اس ماہ کو ”شوال“ کہا جاتا ہے۔ دیکھیں: (تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبد الرزاق المہدی: ۳۲۷/۳ تحت الآیۃ: التوبة: ۳۶)

❦ ماہ شوال کے فضائل:

(۱) ماہ شوال سے اشہر حج (یعنی حج کے مہینوں) کی شروعات ہوتی ہے۔

فرمان الہی ہے: ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّغْلُومَاتٌ﴾ ”حج کے مقرر مہینے ہیں“۔ (البقرہ: ۱۹۷)

اس آیت کے تحت امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”قال البخاری قال ابن عمر: ہی شوال، ذوالقعدہ، وعشر من ذی الحجۃ۔ وهذا الذی علقہ البخاری عنہ بصیغۃ الجزم، رواہ ابن جریر موصولاً: حدثنا احمد بن حازم بن ابی غرۃ، حدثنا ابو نعیم، حدثنا ورقاء، عن عبد اللہ بن دینار، عن ابن عمر: ”الحج اشھر معلومات“ قال: شوال وذوالقعدۃ وعشر من ذی الحجۃ۔ اسنادہ صحیح“ ”امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشھر

الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن کوئی روزہ نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۹۷)

اور اس دن سارے مسلمان کھلے میدان (یعنی عید گاہ) میں دو گانہ ادا کرتے ہیں پھر اس کے بعد کوئی شیریں اور کھانا وغیرہ تناول فرماتے ہیں۔

(۳) اس مہینے میں چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت ہے۔

جیسا کہ آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

❁ ماہ شوال کے چھ (۶) روزوں کی مشروعیت و فضیلت:

ماہ شوال کے چھ (۶) روزوں کی مشروعیت و فضیلت کی بابت دو (۲) حدیثیں پیش خدمت ہیں:

(پہلی حدیث) سیدنا ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ“ ”جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی مانند ہے۔“ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳)

(دوسری حدیث) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَسِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، فَقَدْ صَامَ السَّنَةَ“ ”جس نے رمضان کے روزے رکھے اور (اس کے بعد) شوال کے چھ روزے رکھے تو اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔“ (صحیح ابن حبان بتحقیق شعب: ۳۹۸ ج: ۳۶۳۵، وصححه المؤلف والمحقق)

❁ اب چند ائمہ و علماء کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

❁ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (التوفی: ۲۷۹ھ) پہلی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وَقَدْ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ صِيَامَ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ“ ”سیدنا ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے ایک جماعت نے شوال کے چھ روزوں کو مستحب قرار دیا ہے۔“ (سنن الترمذی بتحقیق مشار، تحت الحديث: ۷۵۹)

علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ اس قول کے تحت فرماتے ہیں: ”وهذا هو الحق“ ”یہی حق ہے۔“ (حفۃ الاحوذی: ۳۸۹)

❁ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (التوفی: ۴۵۸ھ) (رقطراز میں: ”باب فی فضل صوم ستۃ ایام من شَوَّالٍ“ ”شوال کے چھ (۶) روزوں کی فضیلت کے سلسلے میں باب۔“ پھر آپ نے مذکورہ دونوں حدیثیں ذکر کی ہیں۔ (السنن الکبریٰ بتحقیق محمد عبد القادر: ۴/۳۸۳)

❁ امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (التوفی: ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں: ”ان صوم ستة ایام من شوال مستحب عند كثير من اهل العلم“ ”شوال کے چھ روزے علماء کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک مستحب ہیں۔“

پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: ”ولا خلاف في استحبابها“ ”اس کے استحباب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“ (المغنی: ۱۷۷-۱۷۸)

❁ پہلی حدیث پر امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (التوفی: ۶۷۰ھ) نے درج ذیل الفاظ میں باب باندھا ہے: ”باب استحباب ستة ایام من شوال اتباعا لرمضان“ ”رمضان کے بعد ماہ شوال کے چھ روزوں کے استحباب کا باب۔“ پھر حدیث کے تحت فرمایا: ”فيه دلالة صريحة لمذهب الشافعي واحمد و داؤد و موافقيهم في استحباب صوم هذه الستة“ ”اس حدیث میں امام شافعی، امام احمد اور امام ابو داؤد اور ان چھ روزوں کے استحباب میں ان کی موافقت کرنے والوں کے موقف کے لئے صریح دلیل ہے۔“ (شرح مسلم، ص: ۷۲۳)

❁ علامہ محمد بن اسماعیل امیر الصنعانی رحمہ اللہ (التوفی: ۱۱۸۲ھ) پہلی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فيه دليل على استحباب صوم ستة ایام من شوال“ ”اس حدیث میں شوال کے چھ روزوں کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔“ (مسبل السلام

(بتحقیق الحلاق: ۱۲۶/۳)

مذکورہ احادیث اور علماء کرام کے اقوال سے یہ بات مترشح ہوئی کہ ماہ شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے اور ماہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے والا پورا سال روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔

✽ اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

(فائدہ نمبر: ۱) ماہ رمضان کا روزہ رکھنے کے بعد ماہ شوال کے چھ روزے رکھنے والا، کس حساب سے پورا سال روزہ رکھنے والا ہے؟ اس کی وضاحت بھی نبی کریم ﷺ نے کر دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ كَانَ تَمَامَ السَّنَةِ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَثْقَالِهَا“ ”جس نے عید الفطر کے بعد (ماہ شوال کے) چھ روزے رکھے تو اس نے پورے سال روزے رکھے۔ (کیونکہ) جس نے ایک نیکی کی، اس کو اس کے مثل دس گنا اجر ملے گا۔“ (سنن ابن ماجہ بتحقیق الالبانی: ۱۷۱۵، وصحیحہ الالبانی والارنؤوط وانظر ایضاً: السنن الکبریٰ للنسائی بتحقیق حسن عبد المنعم: ۲۳۹/۳، ح: ۲۸۷۴، واسنادہ صحیح)

اور سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صِيَامُ شَهْرٍ وَمَصَانٍ بِعَشْرَةِ أَشْهُرٍ وَصِيَامُ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ بِشَهْرَيْنِ فَذَا الْبُكْ صِيَامُ سِتَّةِ“ ”رمضان کے مہینے کے روزے دس مہینوں کے روزوں کے برابر اور شوال کے چھ (۶) روزے دو مہینوں کے روزے کے برابر (اس طرح سے) یہ ایک سال کے روزے ہوتے۔“ (السنن الکبریٰ للنسائی بتحقیق حسن عبد المنعم: ۲۳۹/۳، ح: ۲۸۷۳، واسنادہ صحیح وصحیح ابن خزيمة بتحقیق الاعظمی: ۲۹۸/۳، ح: ۲۱۱۵، وصحیحہ المؤلف والمحقق)

(فائدہ نمبر: ۲) مذکورہ دونوں روایتوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ پورا سال روزہ رکھنے کا مطلب ہے پورا سال

روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

(تنبیہ بلیغ) بعض حضرات نے سیدنا ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو ”ضعیف یا فقط موقوف“ قرار دینے کی سعی لا حاصل کی، جس کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا کہ یہ روایت مرفوعاً صحیح ہے۔ اسے ضعیف یا فقط موقوف قرار دینا درست نہیں ہے۔ دیکھیں: (تہذیب السنن: ص: ۱۲۰۴-۱۲۲۳)

اور بعض علماء نے ایسے لوگوں کے رد میں مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے دو (۲) کتابوں کے نام پیش خدمت ہیں:

(۱) رفع الاشکال عن ستة ايام من شوال للامام العلائی.

(۲) خيرة الامال في تحقيق احاديث صيام ست من شوال للهادی بن قادری.

✽ ماہ شوال کے روزوں کو رکھنے کا طریقہ:

ماہ شوال کے روزے عید کے فوراً بعد ماہ شوال کی ابتداء میں، درمیان میں، آخر میں اور پے در پے یا الگ الگ ہر طرح سے رکھنا جائز ہے تاہم عید کے فوراً بعد رکھنا افضل ہے جیسا کہ علماء کرام نے احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے۔

ائمہ و علماء کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ: فلا فرق بین کونہا متابعۃ او مفرقة، فی اول الشهر او فی آخره لان الحدیث ورد بها مطلقاً من غیر تقييد “ان روزوں کو ماہ شوال کے شروع میں یا آخر میں، پے در پے یا الگ الگ رکھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حدیث بغیر کسی تقييد کے مطلقاً وارد ہوئی ہے۔“ (المعنی: ۴۴)

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۷ھ) فرماتے ہیں: ”قَالَ أَصْحَابُنَا: وَالْأَفْضَلُ أَنْ نَصَامَ السَّنَةَ مَتَوَالِيَةً عَقِبَ يَوْمِ الْفِطْرِ فَإِنْ فَرَّقَهَا أَوْ أَخَوَهَا عَنْ أَوَائِلِ شَوَّالٍ“

رمضان کے فوت شدہ روزے؟

اس سلسلے میں بہتر یہی ہے کہ ایسا شخص پہلے ماہ رمضان کے فوت شدہ روزے رکھے پھر ماہ شوال کے روزے رکھے کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ: ”من صام رمضان ثم اتبعه ستم سن من شوال كان كصيام الدهر“ ”جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، اسے پورا سال روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔“

لیکن اگر کوئی شخص رمضان کے روزوں کی قضا پہلے نہ کر سکے اور شوال کے روزوں کا وقت نکل جانے کا ڈر ہو تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ پہلے ماہ شوال کے روزے رکھ لے پھر بعد میں رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا کر لے جیسا کہ علماء کرام نے فرمایا ہے۔

تاہم یاد رہے کہ ایسی صورت میں جب تک ماہ رمضان کے روزوں کی قضا مکمل نہیں کی جائے گی تب تک پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ کما ثبت من الحديث المذكور۔

❖ کیا شوال کے روزے میں رمضان کے قضاء

روزے کی نیت بھی کی جاسکتی ہے؟

ایک بھائی نے سوال کیا کہ کیا ایک روزے میں دو الگ الگ روزوں کی نیت کرنا صحیح ہے؟

یعنی ایک انسان پر رمضان کے چند روزوں کی قضا ہے۔ جب وہ شوال کا روزہ رکھتا ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ روزہ، شوال کا ایک روزہ اور رمضان کے قضاء روزوں میں سے ایک روزہ، دونوں کے لئے ہے۔

جواباً عرض ہے کہ ایک روزے میں دو الگ الگ روزے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ چیز، نہ اللہ کے نبی ﷺ سے ملتی ہے نہ کسی صحابی رسول سے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ رمضان کے قضاء روزے اور ماہ شوال کے روزے، دونوں کو الگ الگ رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

إِلَىٰ أَوَّلِهِ حَصَلَتْ فَضِيلَةُ الْمُنَابَغَةِ لِأَنَّهُ يَصْدُقُ أَنَّهُ اتَّبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ“ ”ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ ماہ شوال کے چھ روزوں کو عید کے فوراً بعد پے در پے رکھنا افضل ہے۔ اگر پے در پے نہ رکھا جائے یا شوال کے اخیر تک مؤخر کیا جائے تو متابعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی کیونکہ رمضان کے بعد شوال کے چھ (۶) روزے رکھنا صادق آئے گا۔“ (شرح مسلم، ص: ۷۳۴)

❖ علامہ محمد بن اسماعیل امیر الصنعائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں: ”واعلم ان اجر صومها يحصل لمن صامها متفرقة او متواليه ومن صامها عقيب العيد او في اثناء الشهر“ ”جان لو! جس نے ان روزوں کو الگ الگ رکھا یا پے در پے رکھا عید کے بعد رکھا یا ماہ شوال کے درمیان میں رکھا اس نے اس کے ثواب کو حاصل کر لیا۔“ (سبل السلام بتحقيق الحلاق: ۱۲۷/۳، تحت الحديث: ۶۳۷)

❖ علامہ نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں: ”ولا يشترط ان تكون متصلة به لا فاصل بينها وبين رمضان الا يوم الفطر وان كان ذالك هو الاولی“ ”ماہ شوال کے روزوں کے سلسلے میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ وہ ماہ رمضان سے متصل ہوں ان کے اور رمضان کے درمیان فقط عید کا فاصلہ ہو، گرچہ یہ اولیٰ ہے۔“ (الروضة الندية بتحقيق الحلاق: ۵۵۵/۱)

(تنبيه بليغ) بعض روایتوں میں تسلسل اور پے در پے کی قید آئی ہے لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل احتجاج و ناقابل التفات ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ماہ شوال اور اس کے روزوں کی بابت چند ضعیف و موضوع روایتیں۔

❖ پہلے ماہ شوال کے روزے یا ماہ رمضان کے فوت

شدہ روزے۔۔۔؟

اگر شرعی عذر کی بنا پر کسی شخص کے رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں تو ایسا شخص پہلے ماہ شوال کے روزے رکھے گا یا ماہ

ماہ شوال اور اس کے روزوں کی بابت چند ضعیف و منکر روایتیں

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

جمعہ کے روزے رکھے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(تخریج) مسند الإمام أحمد بن حنبل بتحقیق الارنؤوط ورفقائہ
: ۱۶۶/۲۴، ح: ۵۴۳۳، وشعب الإيمان للبیہقی بتحقیق الدكتور
عبد العلی: ۳۸۵/۵، ح: ۳۵۸۷، وبغیة الباحث عن زوائد مسند
الحارث بتحقیق حسین أحمد: ۲۱/۱، ح: ۳۳۵، وغیرہم۔

(حکم حدیث) ”اسنادہ ضعیف“۔ ”اس کی سند ضعیف
ہے۔“

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”وہذا إسناد ضعیف“۔ ”یہ سند
ضعیف ہے۔“ (الضعیفہ: ۱۰/۱۲۴، ح: ۴۶۱۲)

✽ علامہ شعیب الارنؤوط اور ان کی ٹیم: ”اسنادہ ضعیف“۔
”اس کی سند ضعیف ہے۔“

(وجہ ضعف) روایت ہذا کی سند قرشی عریف کی جہالت کی
وجہ سے ضعیف ہے۔

(دوسری روایت) امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث
السبتانی رحمہ اللہ (التوتی: ۵۷۲) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُجْلِيُّ، حَدَّثَنَا عُثَيْدُ اللَّهِ يَغْنِي ابْنَ
مُوسَى، عَنْ هَازُونَ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ عُثَيْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمٍ
الْقُرَشِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ”سَأَلْتُ أَوْسَيْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ، فَقَالَ: إِنَّ لَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، صُمِّ
رَمَضَانَ وَالَّذِي يَلِيهِ، وَكُلَّ أَرْبَعَاءَ وَخَمْسِينَ، فَإِذَا أَنْتَ قَدْ
صُمَمْتَ الدَّهْرَ“.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَافَقَهُ زَيْدُ الْعُكْلِيُّ، وَخَالَفَهُ أَبُو نَعِيمٍ، قَالَ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبى بعده،

اما بعد:

محترم قارئین! ہم سب ماہ شوال سے گزر رہے ہیں اور یہ وہی
مہینہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”مَنْ
صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سَنًا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ
الدَّهْرِ“ ”جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد
شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی مانند ہے۔“
(صحیح مسلم: ۱۱۶۴) لہذا آپ تمام حضرات سے گزارش ہے کہ
ماہ شوال کے چھ روزوں کا اہتمام کریں۔

بعدہ عرض ہے کہ ماہ شوال اور اس کے روزوں سے متعلق چند
ضعیف و منکر روایتیں بھی مروی ہیں، ان سب کی مفصل تحقیق - اللہ
کی توفیق و فضل و کرم سے - پیش خدمت ہے:

(پہلی روایت) امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ (التوتی
: ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، وَغَفَّانُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، قَالَ غَفَّانُ:
ابْنُ زَيْدٍ أَبُو زَيْدٍ، حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ
خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَرِيفٌ، مِنْ عَرَفَاءِ قُرَيْشٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ
سَمِعَ مِنْ فُلْقٍ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ صَامَ
رَمَضَانَ، وَشَوَّالًا، وَالْأَرْبَعَاءَ وَالْخَمِيسَ، وَالْجُمُعَةَ دَخَلَ
الْجَنَّةَ“.

(ترجمہ) صحابی رسول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: جس نے ماہ رمضان، شوال، بدھ، جمعرات اور

مُسْلِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

(ترجمہ) حضرت عبید اللہ بن مسلم القرشی رحمہ اللہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے صیام دہر (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے) کے متعلق سوال کیا یا آپ سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے، تم رمضان کے، اس کے بعد والے مہینے کے (یعنی شوال کے) اور ہر بدھ و جمعرات کو روزہ رکھو، اس طرح سے تم ہمیشہ روزہ رکھنے والے ہو گے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زید العکلی رحمہ اللہ نے ہارون بن سلمان رحمہ اللہ کی عبید اللہ بن مسلم کہنے میں موافقت کی ہے۔ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا: مسلم بن عبید اللہ۔

(تخریج) سنن أبي داؤد بتحقيق الارنؤط ومحمد: ۹۷/۳، ح: ۲۳۳۲، واللفظ له وسنن الترمذي بتحقيق محمد فؤاد عبد الباقي: ۱۱۳/۳، ح: ۷۸۸، وشعب الإيمان بتحقيق الدكتور عبد العلي: ۳۸۲/۵، ح: ۳۵۸۵، ومعجم الصحابة لابن قانع بتحقيق صلاح بن سالم: ۱۷۹/۲، ومعرفة الصحابة لابی نعیم بتحقيق عادل بن يوسف العزازي: ۱۸۷۳/۳، ح: ۴۷۱۵، وغيرهم.

(حکم حدیث) ”اسنادہ ضعیف“۔ ”اس کی سند ضعیف ہے۔“

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”اسنادہ ضعیف“۔ ”اس کی سند ضعیف ہے۔“ (ضعیف أبي داؤد - الأم لالبانی: ۲۸۵/۲، ح: ۲۲۰)

✽ علامہ شعیب الارنؤط رحمہ اللہ و محمد کامل حفظہ اللہ: ”اسنادہ ضعیف لجهالة عبید اللہ بن مسلم القرشی - وقيل: مسلم بن عبید اللہ وهو الذي رجحه البغوي وغير واحد“۔ ”اس کی سند مسلم بن عبید اللہ بن مسلم القرشی کے مجھول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور مسلم بن عبید اللہ بھی کہا گیا ہے اور اسی کو امام بغوی رحمہ اللہ اور دوسرے لوگوں نے راجح قرار دیا ہے۔“

(وجہ ضعف) روایت ہذا کی سند میں: ”عَبِيدُ اللَّهِ بْنِ

مُسْلِمُ الْقُرَشِيُّ يَامُسْلِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْقُرَشِيُّ“۔ ہیں جو کہ مجھول ہیں کیونکہ ابو موسیٰ ہارون بن سلمان الفراء ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی ہے سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے، آپ رحمہ اللہ نے موصوف کو اپنی کتاب ”الثقات“ میں فقط ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: (۱۴۹/۷، ت: ۹۴۱۳) اور آپ رحمہ اللہ جب اس طرح سے کسی کی توثیق میں منفرد ہوں تو ایسی توثیق ناقابل الثقات ہوتی ہے کیونکہ آپ رحمہ اللہ مجھولین کی توثیق میں معروف و مشہور ہیں جیسا کہ ائمہ کرام نے فرمایا ہے۔ دیکھیں: (لسان المیزان بتحقيق ابي غدة: ۲۰۸/۱، والموقظة للذهبي بشرح الشيخ سليم الهلالي، ص: ۲۰۴)

اور ربی بات امام ابن حجر رحمہ اللہ کی کہ انہوں نے موصوف کو ”مقبول“ کہا ہے تو اس کا تعاقب کرتے ہوئے مؤلفین تحریر فرماتے ہیں: ”بل مجهول، فقد تفرد بالرواية عنه ابو موسى هارون بن سلمان الفراء وذكره ابن حبان وحده في الثقات۔۔۔“ ”(مقبول نہیں) بلکہ مجھول ہیں، ابو موسیٰ ہارون بن سلمان الفراء ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، فقط امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو اپنی کتاب ”الثقات“ میں نقل کیا ہے۔۔۔۔۔“ (تحریر تقریب التہذیب: ۳۷۳/۳، ت: ۶۶۳۶)

اور واضح رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو مقبول کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کی متابعت کی جائے گی تب وہ مقبول ہیں، ورنہ لین الحدیث ہیں۔ (کما صرح بذلك في مقدمة التقرير) اور موضع ہذا میں۔ میرے علم کی حد تک۔ کسی نے ان کی متابعت نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(تیسری روایت) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (التوفی: ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مَسْعُودُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّفْلِيُّ، ثنا عَمْرُو بْنُ هَارُونَ، نا مَسْلَمَةُ بْنُ عَلِيٍّ، ثنا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَمَصِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ غَمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاتَّبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ

أُمَّهُ“۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جاتا ہے جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔“

(تخریج) المعجم الأوسط للطبرانی بتحقیق طارق و عبد المحسن: ۲۷۵/۸، ج: ۸۲۲۔

(حکم حدیث) ”هذا حديث منكر او موضوع واسناده واه“۔ ”یہ حدیث منکر یا موضوع ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔“

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”موضوع“۔ (الضعیف: ۳۰۹/۱۱، ج: ۵۱۹۰)

(وجہ ضعف) روایت ہذا میں تین علتیں ہیں:

(۱) أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُمْصِيُّ: ان کا ترجمہ نہیں مل سکا۔ لیکن:

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُمْصِيُّ؛ يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّي أَنَّهُ مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدِ الْأَسَدِيِّ الْمَصْلُوبِ الْكَذَّابِ الْوَضَاعِ؛ فَقَدْ غَيَّرَ اسْمَهُ عَلَى نَحْوِ مِثْلِ اسْمِ تَعْمِيَةٍ لَهُ؛ فَقِيلَ فِي كُنْيَتِهِ: أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبُو قَيْسٍ، وَقِيلَ فِي نَسَبِهِ: الدَّمَشْقِيُّ، وَالْأَرْدَنِيُّ، وَالطَّبْرِيُّ. فَلَا أَسْتَعِدُّ أَنْ يَقُولَ فِيهِ ذَاكَ الْمَتَّهِمُ مُسْلِمَةُ: أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُمْصِيُّ! وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحُمْصِيُّ الْمَسْمُومِيُّ: مَرْزُوقٌ؛ فَقَدْ أَوْرَدَهُ الدُّوَلَابِيُّ فِي ”الْكُنَى“ هَكَذَا، وَهُوَ مِنْ رِجَالِ التِّرْمِذِيِّ؛ لَكِنْهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا لَهُ رَوَايَةً عَنْ نَافِعٍ، بِخِلَافِ الْمَصْلُوبِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.“

”ابو عبد اللہ الحمصی، غلب علی ظنی! و یحتمل أنہ أبو عبد اللہ الحمصی المسمی: مرزوق؛ فقد أوردہ الدولابی فی ”الکنی“ ہکذا، و هو من رجال الترمذی؛ لکنہم لم یذکروا لہ روایۃ عن نافع، بخلاف المصلوب. واللہ اعلم.“

یہ ہے کہ یہ محمد بن سعید الاسدی المصلوب ہے جو کہ کذاب اور وضاع راوی ہے، اور راویوں نے اس کو چھپانے کے لئے اس کے نام کو سوناموں میں بدل دیا ہے، اس کی کنیت کے بارے میں کہا گیا ہے: ابو عبد الرحمن، ابو عبد اللہ اور ابو قیس۔ اور اس کی نسبت کے بارے میں کہا گیا ہے: الدمشقی، الاردنی اور الطبری۔ لہذا یہ بعید

نہیں ہے کہ اس متہم مسلمہ نے اس کے بارے میں ابو عبد اللہ الحمصی کہا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ابو عبد اللہ الحمصی ہو جو مرزوق سے مشہور ہے۔ اس کو امام دولابی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الکفی میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ ترمذی کے رجال میں سے ہے لیکن محدثین نے اس کے ترجمے میں نافع سے روایت کرنا ذکر نہیں کیا ہے، بخلاف مصلوب کے۔ واللہ اعلم“۔ (الضعیف: ۳۰۹/۱۱، ج: ۵۱۹۰)

راقم کہتا ہے کہ اگر ابو عبد اللہ الحمصی، یہ المصلوب الکذاب ہے تو روایت موضوع ہے۔

✽ شیخ عبد القدوس حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”لایدري من هو؟“ ”نہیں جانا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟“۔ (مجمع البحرين: ۱۳۲/۳، ج: ۱۵۵۵)

(۲) مُسْلِمَةُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ خُلْفٍ الْحُسَيْنِي: یہ متروک، منکر الحدیث راوی ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ): ”مُنْكَرُ الْحَدِيثِ“۔ (التاریخ الکبیر بحواشی محمود خلیل: ۱/۴، ج: ۳۸۸، ت: ۱۶۹۲)

✽ امام ابو زرہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ): ”منکر الحدیث“۔ (الجرح والتعديل بتحقیق المعلمی: ۲۶۸/۸، ت: ۱۲۲۲)

✽ امام ابو حاتم محمد بن حریس الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ): ”ضعیف الحدیث، لا یشغل بہ“ و ”هو في حد الترك، منكر الحديث“۔ ”ضعیف الحدیث ہے۔ اسکے بارے میں مشغول نہیں ہوا جائے گا اور یہ ترک کی حد میں ہے اور منکر الحدیث ہے۔“ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۲۶۸/۸، ت: ۱۲۲۲)

✽ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ): ”متروک الحدیث“ (الضعفاء والمتروکون بتحقیق

محمود ابراہیم زاید، ص: ۹۷، ت: ۵۷۰)

✽ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ): ”كَانَ مِمَّنْ يَقْلِبُ الْأَسَانِيدَ وَيُرْوِي عَنْ الثَّقَاتِ مَا لَيْسَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ تَوْهَمًا فَلَمَّا فَحِشَ ذَلِكَ مِنْهُ بَطَلَ الْإِخْتِجَاجُ بِهِ“۔ ”یہ اسانید کو الٹ پلٹ دیا کرتا تھا اور وہم میں مبتلا ہو کر ثقات سے ایسی روایتیں بیان کرتا تھا جو ان کی مرویات میں سے نہیں ہوتی تھیں۔ جب اس کی جانب سے اس کی کثرت ہو گئی تو اس سے احتجاج کرنا باطل ہو گیا۔ (المجروحین بتحقیق محمود ابراہیم: ۳۳/۳، ت: ۱۰۷۸)

✽ امام ابو احمد بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ): ”ولمسلمة غير ما ذكرت من الحديث و كل احاديثه ما ذكرته و ما لم اذكره كلها أو عامتها غير محفوظة“۔ ”مسلمہ کے لئے میری ذکر کردہ احادیث کے علاوہ بھی احادیث ہیں اور سب کی سب احادیث جن کو میں نے ذکر کیا ہے اور جن کو میں نے نہیں ذکر کیا ہے وہ سب کی سب یا اکثر غیر محفوظ ہیں۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال بتحقیق عادل احمد ورفقاء: ۲۱/۸، ت: ۱۷۹۹)

✽ امام ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ): ”وَ كَانَ ضَعِيفًا -- مَتْرُوكًا --“۔ ”یہ ضعیف تھا۔۔۔ متروک تھا۔“ (العلل الواردة في الأحاديث النبوية بتحقیق محفوظ الرحمن السلفی: ۱۲۶/۸، رقم السؤال: ۱۴۵۰)

✽ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ):

(۱) ”نوکوہ“۔ ”محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔“ (دیوان الضعفاء بتحقیق حماد الأنصاري، ص: ۳۸۷، ت: ۴۱۱۷)

(۲) ”شامی واہ“۔ ”شامی، سخت ضعیف ہے۔“ (میزان الاعتدال بتحقیق البجای: ۱۰۹/۳، ت: ۸۵۷۷)

✽ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۳ھ): ”متروک“۔ (تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامہ، ص: ۵۳۱، ت: ۶۶۶۲)

مزید اقوال کے لئے دیکھیں: إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال بتحقیق عادل واسامہ: ۱۹۱/۱، ت: ۳۵۶۰ وغیرہ۔

(۳) مَسْعُودُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّفْلِيُّ: یہ مجهول الحال ہیں۔

دیکھیں: إرشاد القاضي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني، ص: ۶۳۵، ت: ۱۰۶۱۔

(فائدہ) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشافعی الطبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) مذکورہ روایت کے تحت فرماتے ہیں: ”لَمْ يَزُ وَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ نَافِعٍ إِلَّا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَمَصِيُّ، تَفَرَّدَ بِهِ مُسْلِمَةُ بْنُ عَلِيٍّ“۔ ”اس حدیث کو نافع سے فقط ابو عبد اللہ الحمصی نے روایت کیا ہے، مسلمہ بن علی روایت بذکر بیان کرنے میں منفرد ہے۔“

(چوتھی روایت) امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ بَدِيرُ بْنُ جَنَاحٍ الْقَاضِي الْمَحَارِبِيُّ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْرُوقٍ، ثنا أَبِي، ثنا حَفْصُ أَبُو مُخَارِقٍ، عَنْ خَلَادِ الصَّفَّارِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، وَسِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَهُ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ، كَانَتْ صَامًا لِسَنَةِ“۔

(قال ابو نعیم:) غَرِيبٌ بِهَذَا اللَّفْظِ لَمْ نَكُثِبْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ خَلَادِ الصَّفَّارِ وَهُوَ خَلَادُ بْنُ مُسْلِمِ الْكُوفِيِّ يَكْنَى أَبَا مُسْلِمٍ غَرِيبُ الْحَدِيثِ۔

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد بغیر ناکہ کئے ہوئے مسلسل چھ دن روزے رکھے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔

امام ابو نعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ غریب ہے، ہم نے اس کو صرف خالد الصفار کی حدیث سے ہی لکھا ہے اور وہ خالد بن مسلم الکوفی ابو مسلم ہے جو کہ غریب الحدیث ہے۔

(تخریج) مجلس من أمالي أبي نعیم الاصبهانی بتحقیق ساعد بن عمر غازی، ص: ۴۲، ح: ۵۔

✽ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ): ”متروک“۔
(تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ، ص: ۳۰۶، ت: ۳۳۵۶)
مزید اقوال کے لئے دیکھیں: تہذیب الکمال فی أسماء الرجال
للمزی بتحقیق بشار عواد: ۱۵/۳۱، ت: ۳۳۰۵، وغیرہ۔
نیز اس سند میں چار (۴) راوی ایسے ہیں جن کے حالات مجھے
نہیں ملے، ان کے نام درج ذیل ہیں: (۱) حفص ابو الحارث (۲)
محمد بن مسروق (۳) اسحاق بن محمد بن مسروق (۴) ابو القاسم بدیر
بن جناح القاضی الحارثی۔

✽ روایت ہذا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے طریق
سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی ناقابل التفات ہے۔
تفصیل پیش خدمت ہے:

✽ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانی رحمہ اللہ
(المتوفی: ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ شَاذَانَ، ثَنَا أَبِي،
سَعْدُ بْنُ الصَّلْتِ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ وَالثَّقِيفِيُّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ
خُصَيْفَةَ، عَنْ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ مُتَابِعَةً، فَكَأَنَّمَا
صَامَ السَّنَةَ.

(قال الطبرانی: لَمْ يَزِدْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ
عُمَرَ وَلَا سَعْدُ بْنُ الصَّلْتِ، فَقَدْ زِدَهُ شَاذَانُ، وَقَالَ: عَنْ يَزِيدَ،
عَنْ ثَوْبَانَ وَإِنَّمَا هُوَ: يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ خُصَيْفَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ.

(ترجمہ) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عید الفطر کے بعد لگاتار چھ روزے
رکھے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔
امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو حسن بن عمرو سے
صرف سعد بن الصلت نے روایت کیا ہے، اس کو شاذان بیان
کرنے میں منفرد ہیں۔ انہوں نے کہا: عن یزید عن ثوبان۔ اور بلا
شبہ وہ یزید بن خصیفہ عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ہے۔

(حکم حدیث) ”ہذا حدیث منکر بہذا اللفظ
واسنادہ واہ مظلم“۔ ”یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ منکر ہے اور
اس کی سند سخت ضعیف اور تاریک ہے۔“
(سبب) روایت ہذا کی سند میں: ”عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ
كَيْسَانَ الْمُقْبِرِيُّ الْمَدِينِيُّ“ ہے جو کہ متروک، منکر الحدیث راوی
ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ)
: ”منکر الحدیث، متروک الحدیث“ (الجرح والتعديل لابن
ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۷/۱، ت: ۳۲۶ واسنادہ صحیح)
✽ امام ابو حفص عمرو بن علی البصری الفلاس رحمہ اللہ (المتوفی
: ۲۴۹ھ): ”منکر الحدیث، متروک الحدیث“ (الجرح
والتعديل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۷/۱، ت: ۳۲۶ واسنادہ
صحیح)

✽ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ)
: ”تَرْكُوهُ“۔ ”محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے۔“ (الضعفاء
الكبير للعقيلي بتحقیق عبد المعطي أمين: ۲/۲۶۱، ت: ۸۱۰، واسنادہ
صحیح)

✽ امام ابو الحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:
۳۸۵ھ): ”وَهُوَ ضَعِيفٌ ذَاهِبٌ“۔ (العلل الواردة في الأحاديث
النّبوية بتحقیق محفوظ الرحمن السلفی: ۱۰/۳۶۶، رقم السؤال:
۲۰۵۵)

✽ امام محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ):

(۱) ”واہ“۔ ”سخت ضعیف ہے۔“ (الکاشف بتحقیق محمد
عوامۃ وغیرہ: ۱/۵۵۸، ت: ۲۷۵۲)

(۲) ”تَرْكُوهُ“۔ ”محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔“ (دیوان
الضعفاء بتحقیق حماد الأنصاري، ص: ۲۱۷، ۲۱۸۳)

(۳) ”مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ“۔ ”اس کے ضعف پر محدثین کا
اتفاق ہے۔“ (تاریخ الإسلام بتحقیق الدكتور بشار عواد: ۳/۹۰۵،
ت: ۲۴۷)

(تنبیہ نمبر: ۱) ایک عالم دین - حفظہ اللہ - فرماتے ہیں:

”اسحاق شاذان اور سعد بن الصلت مجہول راوی ہیں۔“

(ضعیف الاقوال، ص: ۵۱)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ: ”اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن زید النہشلی المعروف بشاذان الفارسی“۔ یہ صدوق راوی ہیں جیسا کہ امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب الجرح والتعلیل (بتحقیق المعلمی: ۲/۲۱۱، ت: ۷۲۱) میں فرمایا ہے۔ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے بھی انہیں اپنی کتاب ”الثقات“ میں نقل کیا ہے۔ دیکھیں: (۸/۱۲۰، ت: ۱۲۵۲۶)

اور سعد بن الصلت رحمہ اللہ بھی حافظ اور صدوق راوی ہیں۔ دیکھیں، راقم کا مضمون: سعد بن الصلت الجلی رحمہ اللہ جرح و تعدیل کے میزان پر۔ لہذا ان دونوں حضرات کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے۔

(تنبیہ نمبر: ۲) علامہ البانی رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو الضعیفہ (۱۱/۳۰۷، ج: ۵۱۸۹) میں المعجم الاوسط للطبرانی ہی سے نقل کیا ہے لیکن سند میں سعید بن الصلت لکھا ہوا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”فانی لم أعرفه“۔ ”میں اس کو (جرح و تعدیل کے اعتبار سے) نہیں جانتا ہوں۔“

جبکہ صحیح: سعد بن الصلت ہے۔ اور المعجم الاوسط کے محقق نے بھی حاشیہ میں وضاحت کی ہے۔

نیز علامہ البانی رحمہ اللہ حوالہ مذکور میں اسحاق بن ابراہیم شاذان الفارسی کو بھی جرح و تعدیل کے اعتبار سے نہیں جان سکے جبکہ ان کو امام عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ نے صدوق کہا ہے۔ کما مضمی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(تخریج) المعجم الاوسط بتحقیق طارق و عبد المحسن: ۷/۳۱۵، ج: ۷۰۷۔

(حکم حدیث) ”هذا حديث منكر بهذا اللفظ واستاده ضعيف“۔ ”یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ منکر ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔“

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”منكر بهذا اللفظ“۔ ”اس لفظ کے ساتھ منکر ہے۔“ (الضعیفہ: ۱۱/۳۰۷، ج: ۵۱۸۹)

(وجه ضعف) روایت ہذا کی سند میں: ”محمد بن إسحاق بن ابراہیم بن محمد النہشلی الفارسی ابن شاذان“ ہیں جو کہ مجہول ہیں کیونکہ ان سے۔ میرے علم کی حد تک۔ صرف امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور کسی نے ان کی توثیق نہیں کی ہے، مجھے ان کا ترجمہ نہیں مل سکا اور نہ ہی جرح و تعدیل کا کوئی کلمہ مل سکا۔

نیز دیکھیں: (إرشاد القاضي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني، ص: ۵۱۰، ت: ۸۲۲)

(فائدہ) اصل روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چھ (۶) طریق سے مروی ہے جن میں سے دو طریق کا تذکرہ گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے اور بقیہ جو چار (۴) طریق ہیں ان میں نہ ”مُتَّابِعَةٌ“ کا ذکر ہے نہ ”لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ“ کا اور نہ ہی اس طرح کے کسی الفاظ یا جملے کا جو مسلسل روزہ رکھنے پر دلالت کرتا ہو۔

پہلی سند کے لئے دیکھیں: مجلس من أمالي أبي نعيم الأصبهاني بتحقيق ساعد بن عمرو غازي، ص: ۳۶، ج: ۴۔

دوسری سند کے لئے دیکھیں: مستخرج أبي عوانة بتحقيق أيمن بن عارف الدمشقي: ۱۶۹/۲، ج: ۲۷۰۲، ومسند البزار بتحقيق عادل بن سعد: ۸۴/۱۵، ج: ۸۳۳۳ و ۵۷۱/۱۶، ج: ۹۰۹۷ و ۹۰۹۸۔

تیسری سند کے لئے دیکھیں: الكامل في ضعفاء الرجال بتحقيق عادل أحمد ورفقاء: ۳۷۰/۱، ت: ۶۲۔

چوتھی سند کے لئے دیکھیں: التلخيص الحبير بتحقيق الدكتور محمد الثاني: ۱۳۷۹/۳، ج: ۳۱۵۷، (لم أقف على مثله)

✽ اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

امام محمد بن الحسین السلمی کی توثیق

سید انور شاہ راشدی

ہیں، اس لیے ابن تیمیہ کی غرض یہ ہے کہ یہ سارا جھوٹ اس سے اوپر والے راویان کی طرف سے ہے، جنہوں نے گھڑ کر امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا ہے، سلمی کی حیثیت تو محض ان روایات کے ناقل و راوی کی سی ہے۔ لہذا وہ اس الزام سے بری ہیں، اس جرح کا بھی سلمی سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک موضوع روایت کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں: وقد رواه السلمی، وفي النفس منه۔ کہ: اسکو سلمی نے بھی روایت کیا ہے، دل میں اسکی طرف سے خدشہ ہے۔ (کہیں اس روایت کو سلمی کذاب نے ہی نہ گھڑا ہو) (تلخیص کتاب الموضوعات لابن الجوزی، ص: ۲۹۶)

جواب:

اولاً: بریکٹ والے الفاظ مقالہ نگار کی طرف سے اضافہ ہیں۔ تو کیا کسی چیز میں کھٹکے اور خدشے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسے وضع اور گھڑنے پر محمول کیا جائے، کیا حافظ ذہبی کا یہ مقصد ہے کہ یہ روایت سلمی کی وضع کردہ ہے، امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی وغیرہ بھی رواۃ کے متعلق اس طرح کے الفاظ بولتے ہیں، کیا انکا بھی مطلب وضع کا ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ روایت ابو نعیم کے طریق سے مروی ہے، جس میں سلیم بن منصور بن عمار راوی ہے، اور اسی طرح سلمی کے طریق سے بھی مروی ہے، حافظ ذہبی نے پہلے ابو نعیم کا طریق ذکر کیا، اور بعد میں سلمی کا طریق ذکر کیا ہے، دونوں طرق کا بنیادی راوی ”سلیم بن منصور بن عمار“ ہے

حافظ ذہبی کی جرح کی حقیقت:

* حافظ ذہبی سے چار اقوال نقل کرتے ہیں:

❦ واما ما ينقل ابو عبد الرحمن السلمی الصوفی فی ”حقائق التفسیر“ عن جعفر الصادق فكذب عليه کہ: ابو عبد الرحمن سلمی صوفی سے جو ”حقائق التفسیر“ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے، یہ امام جعفر پر جھوٹ ہے۔ (المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام اهل الرفض والاعتزال ص: ۵۰۵)

جواب:

اولاً: یہ کلام حافظ ذہبی کا نہیں بلکہ امام ابن تیمیہ کا ہے، کیونکہ مذکورہ قول ”المنتقى“ لکھنوی سے نقل کردہ ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ ”المنتقى“ ”منهاج السنہ“ لابن تیمیہ کا ہی انتقاء ہے، لہذا یہ کلام ابن تیمیہ کا ہوا نہ کہ حافظ ذہبی کا، اور ابن تیمیہ کا یہ کلام انکی کتاب ”منهاج السنہ“ میں موجود ہے، اس میں ابن تیمیہ کا کلام اس طرح ہے: وَمَا يُنْقَلُ فِي ”حَقَائِقِ“ السَّلْمِيِّ مِنَ التَّفْسِيرِ عَنْ جَعْفَرِ الصَّادِقِ عَامَّتُهُ كَذِبٌ عَلَى جَعْفَرٍ، كَمَا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهِ غَيْرُ ذَلِكَ، كَمَا تَقَدَّمَ مِنْهَا السَّنَةُ النبوية: ۴۳/۸

لہذا اسے حافظ ذہبی کا کلام سمجھنا غلطی ہے۔

ثامناً:

شیخ الاسلام اپنے اس کلام میں جھوٹ کا الزام سلمی پر نہیں لگا رہے، چونکہ سلمی جعفر صادق سے سنداً روایات بیان کرتے

مثلاً ”محمد بن عبد اللہ الرازی، الصوفی، وغیرہ سے۔ یہاں تو حافظ ذہبی صراحت کے ساتھ انکی عدالت کا دفاع کر رہے ہیں، کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں۔

محمد بن عبد اللہ الرازی امام حاکم کا شیخ ہے اور اسکا پورا نام یہ ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد العزیز بن شاذان ابو بکر، الصوفی الرازی۔ خود حافظ ذہبی کا اس پر کلام پڑھ لیں، وہ اسکے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

* يَزُوِي عَنْهُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيُّ تَلَايَا وَحِكَايَاتٍ مُنْكَرَةً...

* امام ابو عبد الرحمن السلمي کے طریق سے ایک حکایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: ابن شاذان متہم۔

* -حكي عن الشبلي - ايضاً - ولا تترك النفس الى ما يحكيه، فانه جريء، قليل الحياء، نسل الله العفو.

* - صاحب تلك الحكايات المنكرة، روى عنه الشيخ ابو عبد الرحمن السلمي اوابد وعجائب، وهو متهم، طعن فيه الحاكم،

* - هو صاحب مناكير وغرائب، ولا سيما في حكايات الصوفية.

* - ليس بثقة (الروض الباسم: ۱۰۸۷/۲)

دیکھیں حافظ ذہبی سارا الزام السلمي کے اوپر والوں پر لگا رہے ہیں، لہذا مقالہ نگار نے جو حافظ ذہبی کے قول کی تشریح کی ہے وہ کسی طرح بھی درست نہیں، حافظ ذہبی کی انکی کتب میں سلمي کے متعلق آراء موجود ہیں، کہیں بھی انہوں نے سلمي کو دضاع و کذاب قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے کذب کے حوالے سے اسکا دفاع کیا ہے۔

❦ ابو عبد الرحمن السلمي الحافظ العالم الزاهد شيخ المشايخ... الا انه ضعيف.... قلت الف حقائق

پہلے طریق (طریق ابی نعیم) کو ذکر کر کے اسے سلیم بن منصور بن عمار پر، ”واہ“ کی جرح کرتے ہوئے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ دوسرے طریق میں ”سلمی“ کے متعلق ”وفی النفس منه“ کے الفاظ کہے ہیں، حالانکہ اس طریق میں بھی ”سلیم بن منصور بن عمار“ موجود ہے، اور فی الحقیقت اس روایت کے ضعف کی وجہ بھی وہی ہے، لیکن ”سلمی“ کے متعلق ”وفی النفس منه“ کہہ کر چلے جاتے ہیں، لیکن کیا انکے ان الفاظ ”وفی النفس منه“ سے حافظ ذہبی کی وہی مراد ہے جو مقالہ نگار لے رہے ہیں، کہ بریکٹ میں اپنا مفہوم ”روایت کے گھڑنے والا“ امام ذہبی کے قول سے اخذ کر دیا ہے (!!!)، روایت اگر موضوع ہے تو کیا لازماً وہ راوی اس کا واضع ہو جائیگا؟؟؟ ثقات کی روایات میں بھی موضوعات پائی جاتی ہیں، جن میں انکا قصور نہیں ہوتا، بلکہ وہم کی وجہ سے اس طرح کی چیزیں ان کی روایات میں آ جاتی ہیں، حافظ ذہبی کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس روایت کا واضع ”سلمی“ ہی ہے، انہیں صرف کھڑکا ہے، اور اس کھٹکے و خدشے کو کسی طرح بھی وضع پر محمول نہیں کر سکتے، اگرچہ روایت موضوع ہی ہے، رائج بات یہی ہے کہ جب حافظ ذہبی نے اول طریق کو ”سلمی“ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، تو دوسرے (سلمی) والے طریق میں بھی وہی راوی ہے، اس کے ضعف کا سبب بھی وہی بنے گا، نہ کہ ابو عبد الرحمن السلمي۔

ثانیاً:

حافظ ذہبی تو اسے جھوٹ سے بری سمجھتے ہیں، ”السیر“ میں فرماتے ہیں: وَوَقِيلَ: بَلَغَتْ تَأْلِيفُ السَّلْمِيِّ أَلْفَ جُزْءٍ، وَحَقَائِقُهُ قَرْمَطَةٌ، وَمَا أَظْنَهُ يَتَعَمَّدُ الْكَذْبَ، بَلَى يَزُوِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّازِيِّ الصُّوفِيِّ أَبَاطِيلَ وَعَنْ غَيْرِهِ. (۲۵۵/۱۷) کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں گھڑتے، یہ اباطیل ان کی طرف سے ہیں جن سے سلمي روایت کرتے ہیں،

حق میں بہتر یہی تھا کہ وہ اسے تالیف نہ کرتے، تو یہ ہے حافظ ذہبی کے کلام کی اصل حقیقت جو مقالہ نگار کے قلم سے کچھ کا کچھ ہو گیا، سامحہ اللہ سبحانہ وایاتہ۔۔۔ اللھم آمین۔۔۔

ثانیاً:

حافظ ذہبی کے مذکورہ الفاظ شدید جرح تو درکنار سرے سے وہ جرح ہی نہیں بنتے کہ جسے مقالہ نگار شدید جرح کے طور پر پیش کر رہے ہیں، لہذا اسے جرح سمجھنا اور جرح شدید سمجھ کے اسے پیش کرنا بالکل بھی نامناسب اور غیر درست ہے، لہذا یہ نظر میں رہے، واللہ اعلم بالصواب۔

﴿تکلموا فیہ، ولیس بعمدہ﴾۔ محدثین نے اس پر جرح کی ہے، اور یہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال: ۵۲۳/۳)

جواب:

اولاً:

جاریں اور جرح دونوں غیر مفسر ہیں، لہذا یہ جرح مبہم ہونے کی وجہ سے توثیق کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

ثانیاً:

جب جرح ہی غیر مفسر ہے تو یہ جرح شدید کہاں سے ہوگئی۔ (!!!)

محترم قارئین! مقالہ نگار کی حافظ ذہبی سے نقل کردہ جرح کا جائزہ آپ کے سامنے ہے، اور ماقبل میں ہم امام ذہبی ہی سے امام ابو عبد الرحمن السلی کی توثیق بھی پیش کر چکے ہیں۔

ابن القطان کی جرح کی حقیقت:

* محمد بن یوسف القطان کی جرح۔

لکھتے ہیں: امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے حافظ محمد بن یوسف قطان رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ: کان ابو عبد الرحمن السلی غیر ثقہ،... وکان یضع للصوفیۃ الاحادیث۔

التفسیر فاتی فیہ مصائب و تاویلات الباطنیۃ، نسأل اللہ العافیۃ۔

ابو عبد الرحمن السلی حافظ، عالم، زاہد، شیخ المشائخ۔۔۔ مگر ضعیف ہے، ”حقائق التفسیر“ میں جھوٹی روایات بیان کرتا اور باطنی تاویلات کرتا ہے، ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱۶۶/۳)

جواب:

اولاً: انکے ترجمہ میں نظر ہے، انکا اس طرح ترجمہ کرنا ”حقائق التفسیر“ میں جھوٹی روایات بیان کرتا اور باطنی تاویلات کرتا ہے غلط ہے، درست ترجمہ یہ ہوگا وہ ”حقائق التفسیر“ میں مصائب (واہیات، مناکیر، موضوعات) بیان کرتا ہے، اور باطنیہ کی تاویلات لاتا ہے۔ ”تاویلات الباطنیۃ“ مضاف ومضاف الیہ ہے، جسکا مطلب ہے ”باطنیہ کی تاویلات“، نہ کہ ”التاویلات الباطنیۃ“ موصوف وصفہ ہے، کہ جسکا مطلب ہے ”باطنی تاویلات“۔ یعنی وہ اپنی کتاب میں موضوعات ومناکیر بیان کرتا اور باطنیہ کی تاویلات لاتا ہے، تو یہ سب کچھ وہ اسانید کے ساتھ بیان کرتا ہے، گویا وہ ان اشیاء کا محض راوی وناقل ہے، اس طرح گویا اس کا کوئی قصور نہیں، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے بلکہ کہا بھی گیا ہے کہ اسے اس قسم کی واہیات، موضوعات، اور باطنیہ کی تاویلات نہیں بیان کرنا چاہیے تھیں، جیسا کہ حافظ ذہبی ”حقائق التفسیر“ کے متعلق کہتے ہیں ”فیالیتہ لم یؤلفہ“ کہ کاش وہ اسے تالیف نہ کرتے، لہذا ان موضوعات اور تاویلات کا تعلق امام السلی سے نہیں ہے، بلکہ موضوعات کے قصور وار اس سے اوپر والے رواۃ ہیں، اور تاویلات، ”باطنیہ“ کی ہیں، نہ کہ سلی کی اپنی۔۔۔ لہذا وہ ان سب سے بری الذمہ ہے، حافظ ذہبی کے اس قول میں واضح صراحت ہے کہ سلی پر اصل الزام ”حقائق التفسیر“ کی تالیف کی وجہ سے ہے، کہ جس میں وہ مذکورہ اشیاء نقل کرتے ہیں، اس کے

راج بات یہی ہے کہ ان روایات کے وضع امام سلمیٰ نہیں بلکہ اس سے اوپر والے رواۃ ہیں، یہ محض انکا ایک راوی اور ناقل ہے، جیسا کہ پیچھے حافظ ذہبی کے قول میں اسکی وضاحت ہو چکی ہے، اور انہوں نے اس کو کذب سے بری قرار دیا ہے، لہذا سلمیٰ پر انکا الزام درست نہیں۔

ابن حجر کی جرح کی حقیقت:

مقالہ نگار لکھتے ہیں: بعض اہل علم نے کہا کہ اکثر علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام زندہ ہیں تو اسکا رد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں قلت:۔۔۔ مع ما فی اسانید بعضها ممن یضعف، لکثرة اغلاطه أو اتہامه بالکذب، کأبي عبد الرحمن السلمي، وأبي الحسن بن جهمضم، کہ: ان حکایات (کی) بعض سندوں میں ایسے راوی ہیں جن کو کثرت اغلاط کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے یا متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے، جیسے ابو عبد الرحمن السلمیٰ اور ابو الحسن بن جهمضم ہے۔ (الإصابة فی تمييز الصحابة: ۲۵۲/۲)

جواب:

اولاً:

یہ حکایات متہم راوی ابو الحسن بن جهمضم یا کسی اور کی وجہ سے ضعیف اور نا قابل حجت ٹھہریں گی۔

ثانیاً:

ابن حجر سلمیٰ پر جس اتہام بالکذب کی بات کر رہے ہیں، اس کا اشارہ محمد بن یوسف القطان ہی کی طرف ہے، کیونکہ سلمیٰ پر وضع حدیث کا الزام انہوں نے ہی عائد کیا ہے، اور وہ الزام کما سر سے ثابت ہی نہیں، لہذا اس کو بنیاد بنا کر کہی گئی بات کب قبول ہو سکتی ہے۔

علامہ معلیٰ و علامہ البانی رحمہما اللہ کا قول:

* کہتے ہیں: علامہ معلیٰ فرماتے ہیں: تکلموا فیہ حتیٰ رموہ

ابو عبد الرحمن سلمیٰ ثقہ نہیں تھا، اور صوفیوں کے لیے احادیث گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد: ۳۲/۳، رقم الترجمہ: ۶۶۶)

جواب:

اولاً:

اس جرح کو محمد بن یوسف سے نقل کرنے والے خود خطیب بغدادی نے ہی رد کر دیا ہے، اسی طرح امام سبکی خطیب بغدادی کے اس تعاقب کو نقل کر کے اسے برقرار رکھتے ہوئے کہتے ہیں: قلت: قول الخطیب فیہ هو الصحیح، و ابو عبد الرحمن ثقہ، ولا عبرة بهذا الکلام فیہ، (طبقات الشافعية: ۱۳۵/۴)

ثانیاً:

محمد بن یوسف اس میدان کے آدمی نہیں، اور نہ وہ اس قابل ہیں کہ وہ جرح و تعدیل کر سکیں یا انکی جرح و تعدیل پر اعتماد کیا جاسکے، انکا ترجمہ ”تاریخ بغداد“ (۶۳۲/۴) ”سیر اعلام النبلاء“ (۴۲۳/۱۷) میں موجود ہے، خطیب بغدادی نے اسے بغیر جرح و تعدیل کے ذکر کیا ہے، صاحب ”مصابح الاریب“ (۲۵۵/۳) نے تاریخ دمشق کا حوالہ دینے کے باوجود بھی اسے ”مجهول الحال“ کہا ہے!!! حالانکہ وہاں ابن عساکر کی ان الفاظ (وکان صدوقاً، له معرفة بالحديث ..) کے ساتھ تو شیع موجود ہے، حافظ ذہبی ”السیر“ (۴۲۳/۱۷) میں: الحافظ البارع الجوال کے الفاظ سے متصف کرتے ہیں، بہر کیف یہ راوی ثقہ و حافظ ہے، صاحب ”مصابح الاریب“ کا اسے مجهول الحال کہنا درست نہیں۔

لیکن ہر ثقہ راوی جرح و تعدیل کے میدان کا نہیں ہوتا، ثقہ ہونا اور بات ہے، تعدیل و ترجیح دیکرے چیز است، کمالاتی۔ لہذا اس کے ثقہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ اسکی توثیق و تضعیف بھی قبول کرنے لگ جائیں۔

ثالثاً:

اولاً:

شیخ اثری حفظہ اللہ تعالیٰ کی جرح شدید تو کجا، وہ جرح غیر مفسر ہے، وہ اسے جرح شدید کیسے باور کر رہے ہیں، ”متکلم فیہ“ اور ”ضعیف“ کو کس محدث نے جرح شدید میں شمار کیا ہے؟

ثانیاً:

امام سلمیٰ پر جو کلام تھا، اس پر جو جرح وارد تھیں، جنہیں مقالہ نگار نے پیش کیا تھا، سب کی وضاحت کر دی گئی ہے، لہذا اس پر کیا گیا کلام غیر مضر ہے۔

مقالہ نگار لکھتے ہیں: دلائل سے ثابت ہوا کہ ابو عبد الرحمن سلمیٰ جمہور محدثین و اہل علم کے نزدیک ضعیف و وضع ہے، لہذا یہ کہنا کہ بعض لوگوں نے بلا وجہ ان پر جرح کر دی ہے درست نہیں۔

محترم قارئین! مقالہ نگار نے جمہور اور دلائل کی بات کی ہے، تو جمہور کی تضعیف قارئین کے سامنے ہے، چار اہل علم محض ناقصین و عصر حاضر کے ہیں، محمد بن یوسف القطان کی جرح بے بنیاد ہے، جس پر ابن حجر، علامہ مناوی، علامہ معلی، اور علامہ البانی کا اعتماد ہے، امام ابن تیمیہ اور ذہبی کی جرح کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ ان دونوں اہل علم نے اس کی توثیق کی ہے۔

اب باقی کوئی ایسی معتبر دلیل نہیں بچتی ہے جس کی بنیاد پر امام ابو عبد الرحمن سلمیٰ کو وضع یا ضعیف قرار دیا جائے۔

ادھر ساری بحث مقالہ نگار کے ذکر کردہ اقوال و آراء پر مشتمل تھی، جسکی پوری حقیقت کو بھلا اللہ تعالیٰ و فضلہ اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے، اس کے علاوہ بھی امام سلمیٰ سے متعلق بعض تفصیلات ہیں جن کا سامنے آنا مفید ہے ان شاء اللہ اس مضمون کے اگلے حصہ میں یہ تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

بوضع الحدیث (التکیل بمافی تانیب الکوفی من الابطال: ۱/۲۹۵)

علامہ البانی فرماتے ہیں: وابو عبد الرحمن السلمی الصوفی متہم بالوضع. (الصحیحۃ: ۳۹۶/۴)

ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: قلت: هذا موضوع آفته السلمی الصوفی وهو ابو عبد الرحمن الصوفی کان یضع الاحادیث للصفیة. (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة (۱۱۱/۸))

مزید لکھتے ہیں: اما الروایة الرابعة فہی ساقطة الاعتبار، لانہا من طریق السلمی وهو ابو عبد الرحمن الصوفی المتہم بالوضع. (الضعیفة: ۱۰۳/۷)

جواب:

اولاً:

علامہ معلی اور علامہ البانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی جرح کی بنیاد بھی محمود بن یوسف القطان کا ہی قول ہے، اور اسکی وضاحت ہو چکی ہے۔

ثانیاً:

علامہ البانی کی ضعیف کردہ روایات میں ضعف کی اصل وجہ سلمیٰ کے علاوہ دوسرے رواۃ اور ضعف کے اسباب ہیں، جنہیں خود علامہ البانی نے بھی ذکر کیا ہے، لہذا سلمیٰ الزام سے بری ہے۔ والحمد للہ۔

محقق العصر، ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کا قول:

”محقق العصر، ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”لیکن یہ سند صحیح نہیں ہے، کیونکہ سلمیٰ جتنا نام محمد بن حسین النیسابوری ہے، اولاً وہ خود متکلم فیہ ہے“۔ (امام دارقطنی، ص: ۱۹)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں: جبکہ سلمیٰ خود ضعیف ہے۔ (مقام صحابہ رضی اللہ عنہم)

جواب:

سعد بن الصلت الجلی رحمہ اللہ

جرح و تعدیل کے میزان پر

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

نہیں جانتا ہوں، لہذا یہ صدوق راوی ہیں۔“ (۱۳/۱۸۴، ت: ۱۰۱) میں اور ”العبر فی خبر من غیر (بتحقیق زغلول)۔“ میں فرماتے ہیں: ”وکان حافظاً۔“ ”آپ حافظ تھے۔“ (۲۵۰/۱) ﴿امام ابو محمد عبد اللہ بن اسعد الیافعی رحمہ اللہ﴾ (المتوفی: ۷۸۷ھ)

: ”وکان حافظاً۔“ (مرآة الجنان بتحقیق خلیل المنصور: ۱/۳۴۴) ﴿امام ابوالحسن علی بن ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ﴾ (المتوفی: ۸۰۷ھ) (موصوف کی ایک روایت کی بابت فرماتے ہیں: ”رجالہ ثقات“۔ ”اس کے رجال ثقہ ہیں۔“ (المجمع: ۲/۹۸، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین: ۲/۲۳۵)

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سعد بن الصلت آپ کے نزدیک ثقہ ہیں۔

﴿امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد المقدسی رحمہ اللہ﴾ (المتوفی: ۶۴۳ھ) نے موصوف کی منفرد روایت کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (الأحادیث المختارة بتحقیق الذکور عبد الملک: ۲/۲۱۸، ج: ۲۳۰)

جارحین: جرح و تعدیل کے کسی بھی امام نے موصوف رحمہ اللہ پر جرح نہیں کی ہے۔ (واللہ اعلم و علمہ اتم) (فتیجہ) سعد بن الصلت الجلی الکوفی رحمہ اللہ ”امام، محدث اور صدوق حسن الحدیث“ راوی ہیں۔

(تنبیہ بلیغ) ایک شخص نے امام سعد بن الصلت رحمہ اللہ کو مجہول قرار دیا ہے۔ دیکھیں: (ضعیف الاقوال، ص: ۵۱) راقم باادب عرض کرتا ہے کہ امام سعد بن الصلت الجلی رحمہ اللہ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے۔ ان کی بابت درست بات وہی ہے جو گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

نام و نسب: سعد بن الصلت بن برون سلم الجلی الکوفی رحمہ اللہ **اساتذہ:** ان کے اساتذہ میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں: (۱) ہشام بن عروہ رحمہ اللہ (۲) سلیمان بن مہران الأعشى رحمہ اللہ (۳) مطرف بن طریف رحمہ اللہ وغیرہم۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ کے نام یہ ہیں: (۱) محمد بن عبد اللہ النصاری رحمہ اللہ (۲) یحییٰ بن عبد الحمید الحماني رحمہ اللہ (۳) ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۴) اسحاق بن ابراہیم شاذان رحمہ اللہ **وفات:** ۱۹۶ھ۔

آپ کی بابت ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال پیش خدمت ہیں: **معدلین:** ﴿امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ﴾ (المتوفی: ۵۴۳ھ) نے موصوف کو اپنی کتاب: ”الثقات“ (۶/۷۸۷) میں ذکر کر کے فرمایا: ”ربما اغرب“ ”بسا اوقات غریب روایتیں بیان کی ہیں۔“

﴿امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ﴾ (المتوفی: ۷۴۸ھ) : ”القاضي، الإمام، المحدث، أبو الصلت الجلی، الکوفي، الفقيه“ ”قاضی، امام، محدث، ابو الصلت الجلی الکوفی، الفقیہ۔“

پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: ”هو صالح الحديث وما علمت لا حذفيه جرحاً“ ”یہ صالح الحدیث ہیں اور ان کی بابت میں کسی بھی شخص کی جرح کو نہیں جانتا ہوں۔“ (سیر اعلام النبلاء بتحقیق مجموعة من المحققين: ۳۱۸/۹، ت: ۱۰۰)

اور ”تاریخ الاسلام“ میں فرماتے ہیں: ”مارایت لا حذفيه جرحاً، فمحلله المصدق“ ”میں ان کے سلسلے میں کسی کی جرح

شیخ محمد توحید ابن حافظ جلیل احمد فیضی کی مختصر سوانح حیات

محمد طیب جلیل

ہمیں یہاں سے ہٹا کر ممبئی کے ہی ایک دوسرے مدرسہ میں ہمارا داخلہ کرا دیا، اسی دوران ہمارے دادا کی طبیعت کافی ناساز ہو گئی وہ اس وقت گاؤں میں رہائش پذیر تھے اچانک والد محترم کو دادا کی تیمارداری کے لیے گاؤں جانا پڑا مگر چند دنوں کے بعد دادا کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد والد محترم نے دادی کی خدمت کے لئے ممبئی شہر کو ہمیشہ ہمیش کے لیے خیر باد کہ دیا اور وطن عزیز واپس لوٹ آئے اب ہماری ادھوری تعلیم کو مکمل کرانے کے لیے ہم تینوں بھائیوں کو ایک ساتھ مدرسہ تعلیم الدین سون پور چٹھو ارا پرتاپ گڑھ میں داخلہ کرایا یہاں ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ایک ہی استاد کے پاس اپنے قرآن کریم کے بقیہ حصہ کو حفظ کیا اور اس مدرسہ میں ہمارے استاد رہے جناب مولانا عبدالرؤف صاحب قاسمی حفظہ اللہ۔

یہاں ایک خاص قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مولانا عبدالرؤف صاحب قاسمی حفظہ اللہ جن کے پاس ہم دونوں بھائیوں نے قرآن کریم کو حفظ کیا ہے یہ صرف ہم دونوں بھائیوں کے استاد نہیں ہیں بلکہ ہماری والدہ محترمہ کے بھی استاد ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سعادت ہے کہ اس پاک پروردگار نے ہم دونوں بھائیوں کو اپنی والدہ محترمہ کے استاد سے بھی قرآن کریم پڑھنے کا موقع دیا ہے۔

سب سے چھوٹے بھائی محمد طاہر فیضی ہیں انہوں نے بھی اسی مدرسہ سے حفظ کی تعلیم مکمل کی، ہم تینوں بھائیوں کو والد محترم نے تعلیم کے لئے جہاں بھی رکھا ایک ساتھ رکھا۔ ہم تینوں بھائیوں

نام: محمد توحید بن حافظ جلیل احمد بن محمد مسلم خان بن قربان خان تاریخ و مقام پیدائش: ۱۹ اپریل بروز جمعہ ۱۹۸۲ء ہے آپ کی پیدائش آپ کے آبائی گاؤں موضع تلیا ہی ضلع پرتاپ گڑھ میں ہوئی۔

ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں (۱) محمد طیب فیضی (۲) محمد توحید فیضی (۳) محمد طاہر فیضی، برادر محترم ہم تینوں بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے اللہ نے آپ کو بہت ہی بااخلاق خوش مزاج و ملنسار بنایا تھا آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص آپ کا دوست ہو جایا کرتا تھا۔

ابتدائی تعلیم: ہم تینوں بھائیوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کیا ہے کیونکہ والد محترم ایک اچھے حافظ قرآن ہیں اور والدہ محترمہ بھی ایک بڑے دینی ادارہ سے تعلیم یافتہ ہیں اس لیے والدین نے گھر سے ہی ہماری تعلیم و تربیت کی شروعات کی پہلے ہمیں ناظرہ قرآن پڑھایا اور پھر حفظ بھی گھر میں ہی شروع کرا دیا مگر وقت کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہے اسی دوران والدین نے ممبئی آنے کا فیصلہ کیا اور پھر ہم سب شہر ممبئی آ گئے۔

یہاں پہونچ کر والدین نے ہماری حفظ کی تعلیم کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لیے سب سے پہلے جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی کا انتخاب کیا یہاں ہم نے دو سال تک حفظ کی تعلیم حاصل کیا یہاں میرے بھائی کے سب سے پہلے استاد ہیں فضیلۃ الشیخ قاری رحم علی حفظہ اللہ جو ہمارے ہم علاقہ و ہم وطن بھی ہیں آپ نے ان سے تقریباً نصف قرآن کریم حفظ کرایا تھا اس کے بعد والد محترم نے

شیخ الجامعہ نے ہمارے داخلہ کی کاروائی کی ذمہ داری فضیلۃ الشیخ جناب مولانا عبدالغنی فیضی حفظہ اللہ کو سونپ دیا ہم دونوں بھائیوں نے جماعت خامسہ میں داخلہ لینے کے لیے فارم پُر کیا تھا آپ نے ہم سے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے متعلق کئی سوالات کیے چونکہ ہم حنفی مدرسہ سے پڑھے ہوئے تھے اس لیے جواب دینے میں کچھ کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے علاوہ یعنی عربی ادب، اور دیگر کتابوں میں ہم نے الحمد للہ اچھا جواب دیا شیخ نے محسوس کیا کہ مستقبل میں محنت کی بنیاد پر کامیاب ہو سکتے ہیں اسی محنت کی شرط کے ساتھ جماعت خامسہ میں ہمارا داخلہ ہو گیا الحمد للہ۔

ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ۲۰۰۱ء میں سند عالمیت حاصل کیا اور پھر اس کے بعد ۲۰۰۳ء میں سند فضیلت حاصل کیا۔ (مگر میرے سب سے چھوٹے بھائی محمد طاہر فیضی انہوں نے بدستور اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور ۲۰۰۶ء میں انہوں نے سند فضیلت حاصل کیا۔)

اساتذہ کرام: یوں تو ہم نے کئی اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے مگر ان میں سے چند ایک کے نام بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

- (۱) شیخ محفوظ الرحمن فیضی حفظہ اللہ ان سے ہم نے صحیح بخاری پڑھا ہے۔ (۲) قاری ثار احمد فیضی حفظہ اللہ ان سے ہم نے صحیح مسلم پڑھا ہے۔ (۳) شیخ مظہر علی مدنی حفظہ اللہ ان سے سنن ترمذی کا درس لیا ہے۔ (۴) شیخ عبدالغنی فیضی حفظہ اللہ ان سے سنن ابوداؤد کو پڑھا ہے۔ (۵) شیخ نسیم اختر فیضی حفظہ اللہ ان سے جلالین کا علم حاصل کیا۔ (۶) شیخ عبدالحمید فیضی حفظہ اللہ ان سے الاتقان کا درس لیا۔

اسی طرح ہمارے اور بھی اساتذہ ہیں میں مختصر اُن حضرات کا بھی نام ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ جیسے (۷) شیخ محمد حامد فیضی حفظہ اللہ (۸) شیخ سعید احمد فیضی حفظہ اللہ (۹) مفتی راشد حسین ندوی حفظہ اللہ (۱۰) شیخ محمد ناصر ندوی حفظہ اللہ (۱۱) شیخ عبدالسبحان مدنی حفظہ اللہ (۱۲) شیخ شکیل احمد مدنی رحمہ اللہ جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں

میں سب سے پہلے جس نے قرآن کریم کو حفظ کیا ہے وہ ہیں شیخ محمد توحید فیضی آپ نے ۱۹۹۵ء میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور اسی سال رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ نے شہر پرتاپ گڑھ کی ایک مسجد میں تراویح کی نماز بھی پڑھائی تھی، اسوقت برادر محترم کی عمر تیرہ سال تھی۔

اعلیٰ تعلیم کے حصول کا سفر: حفظ کی تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم نے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ۱۹۹۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ایک شاخ مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں رائے بریلی میں داخلہ کرایا برادر محترم نے یہاں چار سالہ عرصہ گزار کر جماعت رابعہ تک تعلیم حاصل کی اللہ نے آپ کو بڑی ذہانت سے بھی نوازا تھا۔

چونکہ برادر محترم نے مجھ سے پہلے حفظ مکمل کیا تھا اس لیے وہ مجھ سے ایک جماعت آگے تھے ۱۹۹۹ء تک ہم دونوں بھائی ایک ساتھ مدرسہ ضیاء العلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے اسوقت ہم لوگ حنفی المسلك تھے، مگر ہمارے سگے خالو فضیلۃ الشیخ جناب قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ جو میرے چھوٹے بھائی محمد توحید فیضی کے سر بھی ہیں ہمیشہ ہم لوگوں کو حق کی تلقین کرتے رہتے تھے خصوصاً قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ کا شوق دلایا کرتے تھے اور ہمیشہ ہماری دینی بھلائی کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے انھوں نے ہمیں ۲۰۰۰ء میں کسی سلفی ادارہ میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا ابتداء آپ کی بات بڑی عجیب سی لگی مگر ادباً ہم آپ کی بات کا انکار نہ کر سکے اور آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے والد محترم نے ہم دونوں بھائیوں کا ایک ساتھ جامعہ اسلامیہ فیض عام مؤناتھ بھجن میں داخلہ کرا دیا۔

اسوقت جامعہ اسلامیہ فیض عام کے شیخ الجامعہ تھے فضیلۃ الشیخ جناب محفوظ الرحمن فیضی حفظہ اللہ۔ شیخ کے ہمارے شہر پرتاپ گڑھ سے زمانہ ماضی سے ہی بہت پرانے تعلقات تھے اور اب بھی ہیں، الحمد للہ آپ کئی مرتبہ ہمارے گھر بھی تشریف لائے ہیں آپ نے جامعہ میں ہمیں بڑی عزت دیا۔

جو جامعہ کی ہی ایک شاخ ہے۔

برادر محترم ۲۰۰۵ء سے لیکر ۲۰۱۱ء تک اسی مسجد دار السلام میں بحیثیت امام و خطیب اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ وقت کے بڑے پابند تھے کبھی نانہ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو، اسی طرح وعدے کے بھی بڑے پختہ تھے کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے، مسجد میں مکتب کی بھی تعلیم ہوتی ہے اس لیے امام کے علاوہ چھ لوگ اور رہتے تھے جو ان کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے وہ لوگ آج بھی موجود ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم چھ سال ان کے ساتھ رہے ہیں لیکن کسی معاملہ میں ہم نے ان کو اختلاف کرتے نہیں پایا ہے، کبھی کسی معاملہ میں ہم لوگوں کے درمیان آپس میں نا اتفاقی نہیں ہوئی اگر کوئی چیز ناگوار ہوتی تو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے تھے مگر اختلاف نہیں کرتے تھے۔

برادر محترم نے ۲۰۱۱ء میں ایک مرتبہ پھر سعودی عرب جانے کا فیصلہ کیا تو اس مرتبہ رب العالمین نے ان کے لیے سارے راستے آسان کر دیے اور برادر محترم باسانی سعودی عرب پہنچ گئے الحمد للہ۔ حالانکہ اہل خانہ خصوصاً میرے والدین کبھی نہیں چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سعودی عرب جائے خصوصاً معاش کے سلسلہ میں، وہاں پہنچ کر آپ شروع میں ایک مسجد میں بطور نائب امام و مؤذن متعین ہوئے اور یہاں کی طرح وہاں بھی آپ نے بڑی ایمانداری و امانت داری کا ثبوت دیا آپ کے طرز عمل سے آپ کے مسجد کے امام محمد احمد الحضیمی بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ کو مکتب الدعوة الجمعہ میں بھی لگوا دیا اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین۔

دینی خدمات: برادر محترم چار سالوں سے مسجد کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ دعوتی ذمہ داری بھی نبھا رہے تھے مختلف مقامات پر آپ کے دروس ہوا کرتے تھے، اسی طرح نماز جمعہ کے بعد آپ امام کے عربی خطبہ کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے، اور جو غیر مسلمین کام کے سلسلہ میں سعودی عرب جاتے ہیں ان کے درمیان بھی آپ دعوت و تبلیغ کا

اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

حالات زندگی: جامعہ سے فراغت کے بعد میں امامت و خطابت کے سلسلہ میں ضلع ناگور راجستھان چلا گیا وہاں میں نے ایک سال تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیا اور پھر دوسرے سال وہاں سے الگ ہو کر ۲۰۰۵ء میں جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی سے منسلک ہو گیا۔

اور برادر محترم شیخ محمد توحید فیضی نے جامعہ سے فراغت کے بعد تجوید و قرأت پڑھنے کا فیصلہ کیا تو والد محترم نے ان کا داخلہ مدرسہ عربیہ انوار العلوم قصبہ منوآئمہ الہ باد میں ہندوستان کے مشہور و معروف قاری جناب قاری رحمت اللہ صاحب کے پاس کر دیا یہاں برادر محترم نے دو سال تک روایت حفص پڑھا، اس دوران برادر محترم قصبہ منوآئمہ محلہ کورٹ کی ایک اہل حدیث مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے حتیٰ کہ قرأت کی تعلیم مکمل ہو گئی مگر امامت و خطابت کا یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری رہا۔

اسی دوران آپ نے سعودی عرب جانے کا فیصلہ کیا اور قصبہ منوآئمہ کو الوداع کہا سفر کی تیاریاں شروع کر دیں مگر جب برادر محترم اپنی تمام تر تیاریوں کے ساتھ شہر ممبئی پہنچے تو عمر کم ہونے کی وجہ سے وہ سعودی عرب نہ جاسکے، تو انہوں نے اس وقت اسی شہر ممبئی میں ہی رہنے کو ترجیح دیا۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار احسانات ہیں مگر اللہ نے مجھ پر اپنا ایک خصوصی انعام یہ کیا کہ دو سال کی جدائی کے بعد اس نے ہم دونوں بھائیوں کو پھر ایک ساتھ ملا دیا اور یوں ہم دونوں بھائی جو بچپن سے ہی ایک ساتھ رہتے تھے کبھی الگ نہیں ہوئے تھے اب ایک مرتبہ پھر اللہ نے ہم دونوں بھائیوں کو کاندیولی کی سرزمین میں یکجا کر دیا چنانچہ میں جامعہ رحمانیہ سے منسلک رہا اور برادر محترم مسجد دار السلام میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے لگے

اس موقع پر مجھے آپ ﷺ کی ایک حدیث یاد آتی ہے جو سنن ترمذی کے اندر سند صحیح مروی ہے۔

عن مطربن عکامس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: "اذا قضی اللہ لعبد ان يموت بارض جعل له اليها حاجة"۔
(دواہ العمدی)

حضرت مطرب بن عکامس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی موت کے لئے کسی زمین کا فیصلہ کر دیتا ہے تو اس کے لیے وہاں کوئی حاجت و ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔

اس حدیث کے پیش نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین نے میرے چھوٹے بھائی شیخ محمد توحید فیضی کی موت کے لیے پہلے سے ہی سرزمین عرب کا انتخاب کر رکھا تھا اور اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے۔

چنانچہ ۷ اپریل بروز جمعہ ۲۰۱۸ء کو گھر سے جمعہ کے خطبہ کے ارادے سے نکلے اچانک راستہ میں آپ کی گاڑی کا اکیڈنٹ ہو گیا اور گاڑی پلٹ گئی، چہرہ اور سر میں سخت چوٹیں آئیں جس وقت آپ کو زخمی حالت میں زمین سے اٹھایا جا رہا تھا اس وقت آپ اپنی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔

آپ کو اٹھانے والوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ ہم نے اپنے کانوں سے انھیں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور یہی کلمہ شہادت آپ کے زندگی کا آخری کلام ثابت ہوا اس کے بعد آپ کی طبیعت اور بگڑتی چلی گئی چنانچہ آپ کو علاج کے لیے شہر جمعہ سے ریاض کے امام عبد الرحمن الفیصل اسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں چار دنوں تک آپ کا علاج چلتا رہا، وفات سے ایک روز قبل امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی ایسا لگا اب آپ بہت جلد رو بصحت ہو جائیں گے اہل خانہ، رور و کرب العالمین کے دربار میں دعائیں کر رہے تھے کہ الہی تو انھیں جلد صحت یاب کر دے۔ یہاں والدین کا صدمہ سے دل پھٹا جا رہا تھا قوت برداشت جواب دے رہی تھی

کام کیا کرتے تھے۔

ابھی پچھلے رمضان المبارک کے مہینہ یعنی ۲۰۱۷ء میں آپ نے ایک ہندوستانی غیر مسلم کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا تھا جس کا ویڈیو آج بھی یوٹیوب پر موجود ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہاں یعنی سعودی عرب میں آپ کی پوری زندگی کا حاصل صرف دعوت و تبلیغ رہا۔

وفات: جس دن آپ کا اکیڈنٹ ہوا ہے اس دن بھی آپ ایک جگہ جمعہ کا خطبہ دینے جا رہے تھے جہاں تقریباً پانچ سو سے زائد لوگ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، مگر رب العالمین کو وہاں تک آپ کا پہنچنا منظور نہیں تھا، اچانک آپ کی کار ایک حادثہ کا شکار ہو کر پلٹ گئی اور آپ بری طرح زخمی ہو گئے ساری چوٹیں آپ کے سر اور چہرہ پر تھیں بقیہ جسم کا اکثر حصہ سلامت تھا۔

جب برادر محترم جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے اپنے گھر سے نکلے تھے تو راستہ میں کئی لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی تھی ان میں دو لوگ خصوصاً قابل ذکر ہیں (۱) وکیل احمد۔ یہ میرے بھائی کے بہت ہی خاص دوستوں میں سے ہیں اور ہمارے علاقہ پر تاپ گڑھ کے ہی رہنے والے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس دن برادر محترم کا حادثہ ہوا ہے اسی دن وکیل احمد سعودی عرب سے انڈیا آرہے تھے اپنی چھٹی گزارنے کے لیے بلکہ برادر محترم نے ان سے گھر کے لیے کچھ سامان بھی دیا تھا، اور ان سے یہ بھی کہا کہ میں جمعہ پڑھا کر آتا ہوں تو آپ کو ایئر پورٹ تک پہنچا دیتا ہوں مگر انھوں نے پہلے سے ہی سواری کا انتظام کر رکھا تھا اس لیے بھائی سے بغل گیر ہوئے اور معذرت کر لی۔

(۲) دوسرے برادر محترم کے مدیر ہیں الشیخ بندر العمر مدیر مکتبہ دعوہ فی المجمعہ حسن اتفاق کہ نکلتے نکلتے مدیر سے بھی ملاقات ہو گئی دونوں کچھ دیر تک کھڑے آپس میں گفتگو بھی کرتے رہے اور پھر اس کے بعد مدیر نے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ برادر محترم کو رخصت کیا، لیکن کسے خبر تھی کہ یہ ملاقات اب آخری ملاقات ہے اس کے بعد ہمیشہ ہمیش کے لیے جدائی ہوئے والی ہے۔

نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور ہمیشہ ہمیش کے لیے وہیں انھیں سپرد خاک بھی کر دیا گیا۔

آپ ۱۰ اپریل بروز منگل ۱۸۷۱ء کو سعودی عرب کے وقت کے مطابق صبح ۱۰ بجکر ۴ منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

یہ بھی اللہ کا میرے بھائی پر بہت بڑا احسان ہے کہ اللہ نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی تھی، چنانچہ آپ کی نماز جنازہ الحمد للہ تین مرتبہ ادا کی گئی بڑی تعداد میں مرد و خواتین آپ کے جنازہ میں شریک رہے، (۱) پہلی مرتبہ آپ کے جنازے کی نماز المسجد الكبير المجمعہ کے اندر ادا کی گئی، اس بعد آپ کے محبین کی ایک بڑی تعداد دور دراز علاقوں سے طویل سفر کر کے پہنچی کوئی الجوف سے آیا، تو کوئی مکہ سے آیا، تو کوئی دمام سے آیا، تو کوئی ریاض سے، لوگ مختلف علاقوں سے آپ کے جنازے میں شریک ہوئے اس کے بعد پھر (۲) دوبارہ قبرستان میں آپ کے جنازے کی نماز ادا کی گئی اس کے بعد تدفین کا عمل شروع ہوا مگر ابھی تدفین کا عمل پورا نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد پھر قبرستان میں حاضر ہو گئی یہ وہ لوگ تھے جو دونوں جنازے کی نماز میں شریک نہیں ہو پائے تھے چنانچہ تدفین کا عمل پورا ہونے کے بعد ان لوگوں نے قبر پر (۳) تیسری مرتبہ جنازے کی نماز ادا کی اس کے بعد لوگ بہت دیر تک برادر محترم کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے۔

۱۰ اپریل بروز منگل صبح ۱۰ بجکر ۴ منٹ پر انتقال ہوا۔ اور ۱۲ اپریل بروز جمعرات ۱۸۷۱ء بعد نماز عصر تدفین عمل میں آئی۔

اب اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے دعاء ہے کہ اے اللہ تو میرے بھائی پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرما ان کی لغزشوں و کوتاہیوں کو معاف فرما، اور ان کی قبر کو کشادہ و منور کر دے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما، آمین اور پسما ندگان کو صبر جمیل و اجر عظیم عطا فرما خصوصاً میرے والدین اور ان کے اہل و عیال کو آمین یا رب العالمین۔

مگر ان سب کے باوجود میرے بوڑھے والدین اپنے جوان بیٹے کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے اور ہر وقت و ہر لمحہ اللہ سے ایک ہی دعا کر رہے تھے پروردگار موت و حیات کا اور صحت و تندرستی کا مالک تو ہی ہے تو میرے بچے کو دوبارہ صحت یاب کر دے۔ ہم لوگوں کا صدمہ سے برا حال تھا لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا لوگ تسلی دے رہے تھے کہ اطمینان رکھئے ان شاء اللہ شیخ محمد توحید جلد صحت یاب ہو جائیں گے، اب اخیر میں وہ دن بھی آپہنچا جس نے ایک بارگی ہم سب کو غموں سے نڈھال کر دیا ہمتیں پست کر دیں گھر میں غم کے بادل منڈلانے لگے، میں ابھی ظہر کی نماز کے لیے با وضو ہو کر اذان کا انتظار کرتے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی دیکھا تو میرے بہنوئی شیخ کلیم بن مقصود الحسن فیضی کا فون تھا جو ابتداء سے برابر پل کی خبر دے رہے تھے بڑی امید سے فون اٹھایا کہ برادر محترم کی اچھی صحت کی خبر ملے گی مگر اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

شیخ نے پہلے تو ہماری خیریت دریافت کی اس کے بعد صرف اتنا کہا کہ اللہ نے اپنی امانت واپس لی ہے اب شیخ محمد توحید فیضی اس دنیا میں نہیں رہے اناللہ وانا الیہ راجعون برادر محترم شیخ محمد توحید فیضی نے سرزمین عرب میں ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ آنکھیں اشک بار ہو گئیں دل بے انتہا مغموم ہو گیا ایسا لگا کہ جسم بے جان سا ہو کر رہ گیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں چونکہ میں اس وقت ممبئی میں تھا مجھے پتہ نہیں تھا کہ گاؤں میں والدین کو خبر ہو گئی ہے یا نہیں بعد نماز ظہر میں نے والدین کو فون کیا تو گھر پر بھی غم و الم کا ماحول تھا کسی میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

قارئین کرام: آپ تصور کر سکتے ہیں کہ جب بوڑھے ماں باپ کے سامنے جوان بیٹے کا جنازہ اٹھتا ہے تو ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو ان حالات سے گزر چکا ہو بڑی مشکل سے ایک دو باتیں ہوئیں اور فون کٹ گیا، وہیں پران کی

کتابیہ سے نکاح کا حکم

دکتور فضل الرحمن المدنی

کر کے انہیں ایمان و اسلام کی نعمت سے نوازا نہ ہو تو اور اچھی بات ہے، علامہ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”إنما أباح الإسلام الزواج منهم ليزيل الحواجز بين أهل الكتاب وبين الإسلام، فإن في الزواج، المعاشرة والمخالطة وتقارب الأسر بعضها ببعض، ففتح الفرج للدراسة الإسلام، ومعرفة حقائقه ومبادئه ومثله، فهو أسلوب من أساليب التقريب العملي بين المسلمين وغيرهم من أهل الكتاب، ودعاية للهدى ودين الحق، فعلى من يبتغي الزواج منهم أن يجعل ذلك غاية من غاياته، وهذاف من أهدافه“ (فقہ السنۃ: ۹۱/۲) یعنی اسلام نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا صرف اس بنا پر مباح قرار دیا ہے کہ اس طرح اسلام اور اہل کتاب کے درمیان رکاوٹیں ختم ہو جائیں، اس واسطے کہ شادی ہو جانے کی صورت میں دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا اور آپس میں میل ملاپ ہوتا ہے، دونوں خاندان کے لوگوں میں قربت ہوتی ہے، اس طرح انہیں اسلام کے مطالعہ اور اس کے افضل و امثل ہونے کا علم ہوتا ہے، پس یہ مسلمان اور اہل کتاب کے درمیان عملی قربت پیدا کرنے کے اسالیب میں سے ایک اسلوب اور ہدایت و دین کے تعارف کا ایک ذریعہ ہے، اس واسطے جو ان سے شادی کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اسے اپنے مقاصد و اہداف میں سے ایک مقصد و ہدف بنا لے۔

نیز ایسی عورتوں سے نکاح کی صورت میں اگر کسی کو اپنے یا بچوں وغیرہ کے دین و عقیدہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یا اس سے اسلام یا اسلامی حکومت یا مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے قطعاً

سوال: فی الوقت یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے انہیں بغیر مسلمان بنائے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کسی مسلمان کو اپنے بارے میں یقین ہو کہ وہ کسی عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح کرنے کے بعد اپنے اور اپنی اولاد کے دین و عقیدہ کی حفاظت کر لے گا، اور اس سے اسے یا اس کی اولاد کو، یا اس کے دین اسلام اور مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا تو ایسی صورت میں وہ اس سے (اگر وہ پاکدامن اور عقیفہ ہو، اور اسلام سے مرتد ہو کر یہودیہ یا عیسائیہ نہ ہوئی ہو) نکاح کر سکتا ہے، اس سے جواز نکاح کے لئے پہلے اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿الْيَوْمَ أَحْلَلْتُ لَكُمْ الْطَّيِّبَ وَطَعَامَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ حُلًّا لَكُمْ وَطَعَامَكُمْ حُلًّا لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ إِذَا أَتَيْتُمُوهُنَّ أُخْزِزْنَ مِنْ مَخْصِنِينَ غَيْرِ مُفْسِدِينَ أَخَذَانِ﴾ (المائدہ: ۵) یعنی آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے، اور مومنہ عورتوں اور اہل کتاب کی عورتوں میں سے عقیفہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، جب تم ان کے لئے ان کا مہر ادا کرو اور مقصد قید نکاح میں لانا ہو، نہ کہ نفس پرستی کے لئے بدکاری کرنا اور چوری چھپے بدچلتی کرنا۔

البتہ جو شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے، کہ اس کا مقصد محض دنیاوی عیش و عشرت اور جسمانی لذت و سرور نہیں بلکہ اس عورت اور اس کے اہل خانہ وغیرہ کی اصلاح و ہدایت اور دین حق سے روشناس

اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ماضی میں ایسی عورتوں سے نکاح و زواج کی بناء پر اسلام اور مسلمانوں کو بہت ہی نقصان پہنچا ہے، دشمنان اسلام کے شعبہ جاسوسی و خریب کاری اور یہودی و عیسائی مشنریوں سے تعلق رکھنے والی کتنی عورتیں نکاح کے آڑ میں مسلم حکام و ملوک کے حرم میں داخل ہوئیں، اور ان کے راز اور پروگراموں کو دشمنوں تک پہنچا کر حکومتوں کی حکومتیں تباہ کر ڈالیں، کتنے سلاطین کے ذہنوں اور افکار و خیالات کو بدل کر ان کے ہاتھوں اسلامی تحریکوں اور جماعتوں کو کچل کر رکھ دیا، بڑے بڑے ادیبوں، مفکروں اور متحرک و فعال لوگوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر کے ان سے شرک و کفر اور باطل مذاہب و نظریات کی تائید کے لئے خوب خوب کام لیا، اس واسطے اس وادی میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے اور بلا کسی اعلیٰ مقصد اور ضرورت کے احتراز ہی کرنا چاہئے۔ علامہ سید سابق رحمہ اللہ نے بہت ہی صحیح فرمایا ہے کہ: ”و الزواج بھن - وان کان جائزاً - إلا أنه مکروہ، لأنه لا يؤمن أن یمیل إليها فتنته عن الدین، أو یتولی أهل دینہ“۔ (المصدر السابق) یعنی ان سے شادی کرنا گرچہ جائز ہے مگر مکروہ ہے اس لئے کہ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا میلان اس کی جانب ہو جائے تو وہ دین اسلام کے بارے میں اسے فتنے میں ڈال دے، یا یہ کہ اس کے دین والوں سے معاونت کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے دور اندیش مفکر اسلام نے اسی بنا پر انہیں آگ کہا ہے، جس سے کچھ فائدہ ضرور ہے، مگر ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت ہو تو سب جل کر خاکستر ہو جائے گا، چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان، طلحہ بن عبید اللہ، اور جابر بن المعلی اور اذینہ العبدی رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک نے کتابیہ سے شادی کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان سب سے کہا کہ انہیں طلاق دے دو، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام نے طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پھر کہا طلاق دے دو، انہوں نے کہا کہ کیا آپ گواہی دیں گے کہ وہ حرام ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ انگارا ہے اسے طلاق دے دو، وہ انگارا ہے اسے طلاق دے دو، انہوں نے کہا: کیا آپ گواہی دیں گے کہ وہ حرام ہے؟ آپ نے پھر کہا وہ انگارا ہے، انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ وہ انگارا ہے مگر میرے لئے حلال ہے، اور اس وقت طلاق نہیں دی، مگر پھر بعد میں طلاق دے دی، تو ان سے کہا گیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو آپ نے طلاق نہیں دی، اور اب طلاق دے دی، انہوں نے کہا: مجھے یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ سمجھیں کہ میں نے غیر مناسب (ناجائز) کام کیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حرام نہیں سمجھتا، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں آبرو باختہ عورتیں تم لوگوں کی زوجیت میں نہ آجائیں۔ (مسائل الإمام أحمد بروایۃ ابنہ صالح: ۳۲۰/۲، ۳۲۱، احکام أهل الذمة: ۲۲۱/۱۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں مذکورہ خطرات کے پیش نظر علماء امت نے ان سے نکاح کو مکروہ اور خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔ (المغنی لابن قدامة: ۵۸۹/۲، ۵۹۰، الإنصاف: ۱۳۵/۸)

آپ نے ”فی الوقت“ کہہ کر اس بارے میں گویا کچھ شبہات کی جانب اشارہ کیا ہے، درحقیقت کتابیہ عورتوں سے شادی کے جواز کے سلسلے میں دو اشکال ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ﴾ (البقرة: ۲۲۱) یعنی مشرک عورتوں سے اس وقت تک شادی نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اور یہودی یا نصرانی عورت جو عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا اللہ کا بیٹا مان کر اتنا بڑا شرک کرتی ہے بھلا اس سے بغیر اس کے اسلام میں داخل ہوئے کیسے نکاح جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب اگرچہ کفر و شرک کرتے ہیں، مگر شریعت کی اصطلاح میں جب ”مشرکین“ کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے مراد اہل کتاب کو چھوڑ کر دوسرے مشرکین جیسے دشمنی اور بت پرست وغیرہ ہوتے ہیں، اہل کتاب اس میں داخل نہیں ہوتے، جیسے اللہ تعالیٰ کا

ازیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ سورہ مائدہ کی آیت: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے منسوخ ہے، اور ایسا ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

راہدہ اثر جواہرین عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب ان سے یہودی اور نصرانی عورتوں سے شادی کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: ”اللہ نے مومنوں کے لئے مشرک عورتوں کو حرام قرار دیا ہے اور میں اس سے بڑا شرک نہیں جانتا کہ کوئی عورت یہ کہے کہ میرے رب عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا کسی اور بندے کو اپنا رب مانے“ تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَلَا يَصِحُّ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْأَوَّلِ أَنَّهُ حَرَّمَ ذَلِكَ“ (فقہ السنۃ: ۹۰/۲) اوائل میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ اس نے اس کو حرام قرار دیا ہو۔ اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَيْسَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ، بِخَمْدِ اللَّهِ، اخْتِلَافٌ فِي حِلِّ حَرَائِرِ نِسَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ“ (المعنی لابن قدامة: ۵۸۹/۶-۵۹۰) اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کی حلت کے بارے میں الحمد للہ اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اہل علم سے ان کی مراد قابل اعتبار اہل علم ہیں، کیونکہ امامیہ کا اختلاف انہوں نے خود ذکر کیا ہے، جن کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر صحیح سند سے ثابت بھی ہو جائے تو یہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوگی، جو قرآن کے صریح نص اور جمہور امت کے قول کے مقابلے میں قابل قبول نہ ہوگی، اسی بنا پر محاسن فرماتے ہیں: ”وهذا قول خارج عن قول الجماعة الذين تقوم بهم الحجة، لأنه قد قال بتحليل نكاح نساء أهل الكتاب من الصحابة والتابعين جماعة منهم عثمان، وطلحة، وابن عباس، وجابر، وحذيفة، ومن التابعين سعيد بن المسيب، وسعيد بن جبیر، والحسن، ومجاهد، وطاووس، وعكرمة، والشعبي، والضحاك، وفقهاء

فرمان ہے: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (البینۃ: ۱) اہل کتاب کے کافر اور مشرک لوگ جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ﴾ (البینۃ: ۶) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے۔ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ (المائدہ: ۸۲) تمام لوگوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ یہود و مشرکین کو پائیں گے۔ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿عَتَايُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ (البقرہ: ۱۰۵) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں وہ ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تم لوگوں پر تمہارے رب کی جانب سے خیر کا نزول ہو۔ ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین میں فرق کیا ہے، کیونکہ مشرکین کو اہل کتاب پر عطف کیا ہے، اور عطف مغایرت کا مقتضی ہے، یعنی یہ چاہتا ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف مختلف ہوں، اس سے معلوم ہوا جب لفظ مشرکین مطلق ہو تو وہ اہل کتاب کو شامل نہ ہوگا، اور آیت کریمہ: ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ (البقرہ: ۲۲۱) اور اسی طرح: ﴿وَلَا تُنْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفِرِ﴾ (الممتحنہ: ۱۰) میں عموم ہے جو تمام مشرک عورتوں کو شامل ہے، اور ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدہ: ۵) خاص ہے جس میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی خصوصی طور پر اجازت دی گئی ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب عام اور خاص میں تعارض ہو تو خاص کو عام سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا اور خاص کو چھوڑ کر باقی افراد جو اس عام کے تحت آتے ہیں انہیں مراد لیا جائے گا، اس قاعدے کے اعتبار سے بھی کتابیہ عورتیں ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ اور ﴿وَلَا تُنْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفِرِ﴾ سے مستثنیٰ ہو جائیں گی، علاوہ

گئے ہیں، چنانچہ وہ دین و مذہب کو خرافات اور قوموں کے لئے افیون سمجھتے، اللہ اور اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل اور کتب ساویہ کا انکار اور کفر و شرک کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں، ایسے لوگ بلاشبہ ملحد و بے دین اور تمام ادیان ساویہ سے مرتد و خارج ہیں، اور اس قسم کے افکار و خیالات کی حامل عورتوں سے شادی کرنا مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں، اگرچہ ان کا سرکاری کاغذات میں مذہب کے خانے میں یہودیہ یا نصرانیہ ہی لکھا جاتا ہو۔

(۲) دوسرے وہ لوگ جن کے اندر کچھ اپنی تعلیمات سے انحراف اور معاصی کا ارتکاب پایا جاتا ہے، مثلاً زنا کاری، شراب نوشی، سود خوری، بد اخلاقی وغیرہ، لیکن انہوں نے اپنے دین یہودیت یا نصرانیت سے بالکلیہ تعلق منقطع نہیں کر لیا ہے، اور نہ ہی وہ وجود باری تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام اور تورات و انجیل کے منکر ہیں، ایسے لوگوں کا شمار اہل کتاب میں ہوگا، اور ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی ان عقائد کی حامل عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا، کیونکہ یہود و نصاریٰ میں اس قسم کے انحرافات عہد نبوی اور عہد صحابہ میں موجود تھے، اس کے باوجود انہیں اہل کتاب میں شمار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنقِمُوْنَ مِّنْآلَاٰنِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ الْبَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنْ اَكْتَفُرْ كُمْ فَيَسْقُوْنَ﴾ (المائدہ: ۵۹) اے نبی (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کون سی بات معیوب پاتے ہو، جو اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس نازل کی گئی ہے اور اس پر جو پہلے نازل کی گئی، حالانکہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق اور خارج از ایمان ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَقُلُوْى كَفِيْزًا فَيَنْهٰهُمْ يَسَارِعُوْنَ فِى الْاٰثِمِ وَالْعُدُوْا نِ وَاَكْلِهِمُ الشَّخْتِ لَيْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰهُمْ الرَّبُّنُّيُوْنَ وَالْاَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاٰثِمِ وَاَكْلِهِمُ الشَّخْتِ لَيْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (المائدہ: ۶۲)۔ آپ ان میں بہتوں کو دیکھیں گے جو دوڑ دوڑ کر گناہ، ظلم اور حرام خوری کرتے ہیں، واقعی ان کے کام بہت برے ہیں، ان کو ان

الأمصار“ (فقہ السنۃ: ۲/۹۰) یعنی یہ قول اس جماعت کے قول سے خارج ہے جن سے حجت قائم ہوتی ہے، کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں سے جواز نکاح کے قائل صحابہ و تابعین میں سے ایک جماعت ہے، جن میں عثمان، طلحہ، ابن عباس، جابر، حذیفہ رضی اللہ علیہم اجمعین ہیں، اور تابعین میں سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، مجاہد، طاؤس، عکرمہ، شعبی، ضحاک اور دیگر فقہائے امصار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اور امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول حضرت عمر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، اور حضرت حذیفہ، طلحہ، جابر و بن المعلیٰ اور اذینہ العبدی رضی اللہ عنہم کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے کتابیہ عورتوں سے شادی کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ نصرانیہ سے شادی کی جو بعد میں ان کے پاس مسلمان ہو گئیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہودیہ نصرانیہ سے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح کے زمانے میں ان سے شادی کی۔

(۲) دوسرا اشکال یہ ہے کہ عصر حاضر میں یہود و نصاریٰ میں دینی و اخلاقی اعتبار سے بڑا ہی بگاڑ آ گیا ہے، ان میں کتنے ہی ملحد، کمیونسٹ اور اللہ بیزار لوگ ایسے ہیں جو سرے سے مذہب اور دین کو مانتے ہی نہیں، اللہ، رسول اور دین وغیرہ کو خرافات اور قوموں کے لئے افیون قرار دیتے ہیں، کتنے ایسے ہیں جو شراب نوشی، زنا کاری، لواطت، سود خوری وغیرہ بہت ساری اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہیں، اور حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کے لائے ہوئے دین پر صحیح طور پر عمل کرنے والا شاید کوئی ہے ہی نہیں، ایسی صورت میں انہیں کیسے اہل کتاب مان لیں اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیں؟

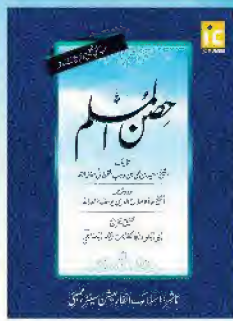
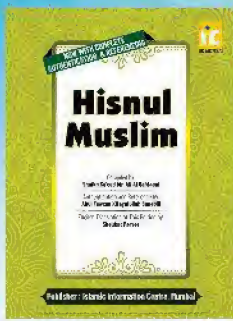
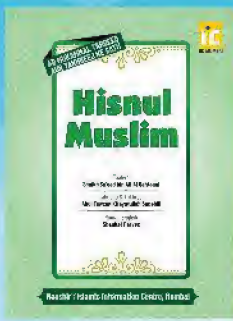
اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں میں عملی و فکری انحراف پائے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک تو وہ لوگ ہیں جو دین سے مکمل طور سے منحرف ہو

فرماتے ہیں کہ اس سے گویا میری ذلت ہوئی اور میں متواضع ہو گیا۔ انہیں کی دوسری روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس حال میں کہ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس بت کو چھینک دو! پھر آپ نے: ﴿اتَّخِذُوا اخْبَارَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ اَزْبَابًا مِّنْ ذُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة: ۳۱) کی تلاوت فرمائی، یعنی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا رب بنالیا ہے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا جب یہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیتے ہیں تو تم لوگ اسے حلال نہیں سمجھ لیتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر دیتے تھے تو تم لوگ اسے حرام نہیں کر لیتے تھے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو یہی ان کی عبادت ہے۔ (سنن الترمذی: ۵/۲۹۵)

(۳۰۹۵) کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة التوبة، تفسیر الطبری: ۲۱۰/۱۳، احکام القرآن: ۲۲۳/۲ غرضیکہ عہد نبوی میں یہ تمام شرک و کفر اور انحراف و ضلالت ان کے اندر موجود تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں اہل کتاب میں شمار کیا ہے اور ان کے ذبیحہ اور عورتوں کو حلال قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ بنی تغلب کے ذبیحہ سے منع کیا اور کہا کہ ان کا ذبیحہ مت کھاؤ، اس لئے کہ انہوں نے نصرانیت سے صرف شراب نوشی کو لیا ہے، مگر صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی ان کی موافقت نہیں کی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے منازعت کرتے ہوئے فرمایا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ فَانَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدة: ۵۱) یعنی اگر یہ ولایت بھی ان میں سے شمار کئے جائیں تب بھی انہیں حکماً نصرانی شمار کیا جائے گا۔ (المعنی مع الشرح الكبير: ۵۹۶/۱۱-۵۹۷، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵/۲۱۹-۲۲۰، احکام اهل الذمة: ۸۷/۱-۸۸) بہر حال ایسے لوگوں کا شمار یہود و نصاریٰ میں ہوگا، اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہوگا، بشرطیکہ ان کے عقائد بھی اسی طرح ہوں، پہلے گروپ کی طرح نہ ہوں۔

کے علماء و مشائخ گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے، واقعی ان کی یہ عادت بہت بری ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدة: ۷۲) بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ نیز فرمایا: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَاحِدٌ وَاَنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (المائدة: ۷۳) بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود برحق نہیں، اور اگر یہ لوگ ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب ہوگا۔ اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”أتينا النبي ﷺ، فقال لي رسول ﷺ: يا عدي بن حاتم أَسْلَمْتَ تَسْلَمُ، فَقُلْتُ: إِنِّي لِي دِينًا، فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ بِدِينِكَ مِنْكَ، قُلْتُ: أَنْتَ أَعْلَمُ بِدِينِي مِنِّي؟ فَقَالَ: نَعَمْ، أَلَسْتَ رَكُوسِيًّا؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: أَلَسْتَ تَزْأُسُ قَوْمَكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: أَلَسْتَ تَأْخُذُ الْمَرْبَاعَ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ ذَالِكَ لَا يَجُزُّ لَكَ فِي دِينِكَ، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنِّي عَلِيٌّ بِهَا غَصَاضَةٌ، وَكَأَنِّي تَوَاضَعْتُ بِهَا“ (رواه أحمد في المسند: ۲۵۷/۳، ۳۷۸) یعنی ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عدی، اسلام لے آؤ سلامتی حاصل کر لو گے، میں نے عرض کیا میرا ایک دین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے دین کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے کہا: آپ کو میرے دین کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیا تم رکوسی (عیسائیوں کی ایک قسم ہے) نہیں ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی قوم کی قیادت و پیشوائی نہیں کرتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ربيع غنیمت نہیں لیتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے تمہارے دین میں یہ جائز نہیں، حضرت عدی



دعا کوئز

آئی آئی سی کرامتی سماج کے ہر طبقہ اور ہر عمر کے لوگوں کے لئے مختلف دعوتی، دینی اور سماجی سرگرمیاں انجام دیتا۔ ان سرگرمیوں میں سے ایک اہم کام مٹی کے پیپانہ پر ایک سالانہ مسابقت کا انعقاد بھی ہے۔ اور الحمد للہ گزشتہ سالوں میں تین انعامی مسابقتی بالترتیب "ہیرت"، "عقیدہ" اور "رفضان کے احکام و مسائل" کے موضوعات پر محکم دعوتی منعقد ہو چکے ہیں، جن میں عوام نے گرمجوش کے ساتھ بھاری تعداد میں حصہ لیا تھا۔

ہماری زندگی میں دعاؤں اور اذکار کی اہمیت کے پیش نظر مینٹر کے ذمہ داروں کا ارادہ یہ ہوا کہ اس سال دعاؤں و اذکار پر مشتمل ایک مسابقت منعقد کیا جائے تاکہ عوام الناس کو ان اور اذکار کی ایک مناسب مقدار یاد ہو جائے اور وہ انہیں اپنی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بنا کر ثواب سے اپنی جھولی بھر لیں اور اپنے معاونین بھی اس اجر میں شریک ہو جائیں۔

یہ مسابقت دعائی مختصر اور مقبول کتاب "حصن المسلم" تالیف الشیخ سعید بن علی بن وہب القحطانی رحمہ اللہ مترجم شیخ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ، تحقیق و تخریج شیخ کفایت اللہ سنبلی رحمہ اللہ پر مشتمل ہوگا۔

اصول و ضوابط

- ۱۔ مسابقت دو گروپ پر مشتمل ہوگا۔ گروپ (الف)، گروپ (ب)
- ۲۔ گروپ (الف) میں صرف چودہ (۱۴) سال تک کے بچے، بچیاں حصہ لے سکتے ہیں۔
- ۳۔ گروپ (ب) میں چودہ سال سے اوپر، کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔
- ۴۔ اس مسابقت میں عالم و فاضل اور عالمہ و فاضلہ شریک نہیں ہو سکتے ہیں۔
- ۵۔ جنس کی کوئی قید نہیں ہے۔ مرد و خواتین، بچے، بچیاں، سبھی شریک ہو سکتے ہیں۔
- ۶۔ دعائی کتاب اردو، انگلش اور رومن انگلش میں دستیاب ہوگی۔
- ۷۔ پورے مئی میں سولہ (۱۶) امتحان سینٹر قائم کئے گئے ہیں۔
- ۸۔ ہر علاقے کے لوگ اپنے قریبی امتحان سینٹر سے کتاب و داغدارم حاصل کر لیں۔
- ۹۔ برابر نمبر لانے والے شرکاء کے درمیان پوزیشن کے لئے قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- ۱۰۔ تقسیم انعامات کے وقت پوزیشن لانے والے شرکاء کا حاضر ہونا ضروری ہے۔
- ۱۱۔ تقسیم انعامات کے وقت خواتین اپنے سر پر دست کے ساتھ شریک ہوں۔
- ۱۲۔ شرکاء مسابقت کا مقررہ وقت پر پہنچنا ضروری ہے۔ تاخیر کی صورت میں امتحان سے محروم ہوں گے۔
- ۱۳۔ تمام سوالات کے جوابات منتخب شدہ کتاب سے ہی مطلوب ہوں گے۔

رجسٹریشن کی آخری تاریخ
۳۰ جون ۲۰۱۸ء بروز پیر ہے۔

امتحان کی تاریخ
۲۹ جولائی ۲۰۱۸ء بروز اتوار ہے۔

نتائج کا اعلان اور
تقسیم انعامات پروگرام

۱۲ اگست ۲۰۱۸ء بروز اتوار
مطالعہ: ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ
بعد نماز عصر جمعہ

جامع مسجد اہل حدیث
مومن پورہ میں ہوگا۔

مزید معلومات کے لئے رابطہ کریں: 9595539469/8291063785

۳۰

فی رسالہ:

۳۰۰

سالانہ:

ماہنامہ اہل السنۃ



﴿فہم سلف کی روشنی میں اتباع کتاب و سنت کی دعوت﴾ ﴿مختصر دروس حدیث﴾

﴿اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات﴾ ﴿صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی﴾

﴿علوم الحدیث پر معیاری مضامین﴾ ﴿خطبات جمعہ و موعی دروس و تقاریر کے لئے نصوص و مواد کی ترتیب﴾

بے پناہ گہرائی، انوکھے اسالیب، سنجیدہ افکار، معیاری مقالات اور منہجی توضیحات ایک مکمل تحقیقی کورس پڑھنے کے لئے آج ہی ممبر بنیں۔

SIRF RS. 300/- (SALANA/YEARLY)

AHLUS SUNNAH MONTHLY URDU MAGAZINE GHAR BAITHE HASIL KAREN

Call Karen : +91 8291063765, 02226500400

DONATE TO IIC

موجودہ سوسائٹی میں اسلام کے پیغام کو پہنچانا اور اسلام کے تعلق سے غلط فہمیوں کو دور کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے۔
اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم اسی دنیا میں یا آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

It is our duty to pass on the message of Islam and clear the misconceptions about it prevalent in society. If we don't, we might incur Allah's punishment in this world and the next.

For Bank Transfer

Bank Name : ICICI Bank (Savings)
Account Name : ILM Foundation
Account Number : 102801002071
IFSC Code : ICIC0001028
MCR Code : 400229097
Branch : Andheri Link Road, Mumbai

For Transfer Through PayTm



PayTm Number 8291063765

For Contact Or WhatsApp

+91 9773112909
+91 8291063785
+91 8291063755

For Transfer Through UPI



UPI QR Code

IN-SHA ALLAH OUR VOLUNTEER WILL VISIT TO COLLECT YOUR DONATION - ان شاء اللہ ہمارے رضا کار آپ کا تعاون حاصل کرنے پہنچ جائیں گے۔

If Undelivered Please Return To

To,

Book Post



Ahl us Sunnah

Ic Islamic Information Centre

Gala No. 6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
opp. Nourjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070.
Ph. 26 500 400 / 64269999